لَآ إِلٰهَ إِلَّآ أَنتَ سُبْحٰنَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظّٰلِمِينَ

مچھلی کے پیٹ میں

عبرت ناک اور
نصیحت آموز
دلچسپ واقعات

أَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ
الَّذِي لَآ إِلٰهَ إِلَّا
هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ
وَ أَتُوبُ إِلَيْهِ



تالیف
ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمن العریفی حفظہ اللہ
ترجمہ
فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر حفظہ اللہ

مکتبہ کتاب و سنت
ریحان چیمہ - ڈسکہ

لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ

مچھلی کے پیٹ میں

تالیف

ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمٰن العریفی

ترجمہ

فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر

ناشر

مکتبہ کتاب و سنت
ریحان چیمہ۔ ڈسکہ

اُم القریٰ پبلی کیشنز
سیالکوٹ روڈ، گوجرانوالہ

مچھلی کے پیٹ میں

تالیف
ڈاکٹر محمد بن عبدالرحمٰن العریفی

ترجمہ
فضیلۃ الشیخ مولانا محمد منیر قمر

طبع: ـــــــــــ ستمبر 2014ء

کمپوزنگ: ـــــــــــ ام عدنان قمر

ڈیزائننگ اینڈ سیٹنگ: ـــــــــــ ابوسفیان عزیزی
0321-6487621

تعداد: ـــــــــــ 1100

ناشر

مکتبہ کتاب و سنت
ریحان چیمہ، ڈسکہ

ام القری پبلی کیشنز
سیالکوٹ روڈ، گوجرانوالہ

055-3823990 / 03216466422

تصدیر

اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰہِ، نَحْمَدُہٗ وَ نَسْتَعِیْنُہٗ وَ نَسْتَغْفِرُہٗ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَسَیِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ، وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَا ھَادِيَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ أَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ، وَأَشْھَدُ أَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ أَمَّا بَعْدُ:

قارئینِ کرام !............ السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

قرآنِ کریم کے مضامین کو اہلِ علم نے بڑے بڑے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱۔ توحید۔

۲۔ احکام۔

۳۔ حکایات وقصص اور تاریخِ امم۔

حکایات وقصص اور واقعات و تاریخ کی تاثیر سے انکار ممکن نہیں، ان کے فطرتِ انسانی کے لیے مرغوب ہونے کے پہلو کو پیشِ نظر رکھ کر ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتابِ مقدس قرآنِ کریم میں اس کا خاص اہتمام فرمایا ہے کہ موقع بہ موقع مختلف اقوام وملل کے واقعات وقصص اور حکایات بیان کرکے بات کو قریب الفہم بنا دیا ہے۔

فطرتِ انسانی کے اسی اہم تقاضے کو پیشِ نظر رکھ کر ہم معروف سعودی داعی و مبلّغ فضیلۃ الشیخ ڈاکٹر محمد بن عبد الرحمٰن العریفی (پی۔ایچ۔ڈی عقیدہ و مذاہبِ معاصرہ۔ الریاض) کے ایک مقبول رسالہ ''في بطن الحوت'' کا اردو ترجمہ اپنے قارئین کرام کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں اور اس بات کی امید رکھتے ہیں کہ زیرِ نظر کتاب میں مذکور واقعات وحکایات اور قصص فقر و تنگدستی میں مبتلا اور آسودہ وخوش حال سبھی لوگوں کے لیے باعثِ عبرت ونصیحت ثابت ہوں گے۔ ان شآء اللہ

اس کتاب کے ترجمے کا مشورہ ہمیں ہماری اہلیہ ام عدنان نے دیا اور پھر اس کے لیے اتنا اہتمام دکھلایا کہ اس کی کمپوزنگ بھی اپنے ذمے لے لی، اور دلچسپ بات یہ ہے کہ جب ہماری یہ گفتگو ہو رہی تھی، تب تک انھیں کمپیوٹر کی ابجد بھی معلوم نہ تھی۔ میں نے اس شوق وجذبہ کو عملی رنگ دلوانے کے لیے یہ شرط عائد کر دی کہ میں اس کتاب کا ترجمہ اس صورت میں کروں گا کہ پہلے کمپیوٹر کی سوجھ بوجھ حاصل کریں، مجھے کچھ کمپوز کر کے دکھلائیں، تب میں ترجمہ شروع کر دوں گا اور جیسے جیسے سابقہ ترجمہ شدہ مواد کی کمپوزنگ ہوتی جائے گی، میں ترجمہ کردہ نئے صفحات مہیّا کرتا رہوں گا اور واقعتاً ایسے ہی ہوا۔ اس طرح اِس کتاب کے ترجمہ اور کمپوزنگ کا آغاز ہوا اور اللہ کی توفیق وعنایت سے اب کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

کتاب میں کہیں کہیں حوالہ جات موجود تھے اور بعض واقعات وقصص کے حوالے تشنۂ تکمیل تھے جنھیں کسی حد تک ہم نے مکمل کر دیا ہے۔ وللہ الحمد

اس کتاب کے ترجمہ کی ترغیب دلانے اور اس کی کمپوزنگ کرنے پر ہم اپنی

اہلیہ کے شکرگزار ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور ہماری اہلیہ ام عدنان کے اس عمل کو اجرو ثوابِ دارین کا ذریعہ بنائے، اسے شرفِ قبولیت سے نوازے، نیز ہمیں اور انھیں خدمتِ دین کی مزید توفیق عطا فرمائے۔

اسی طرح ہم اپنے اشاعتی ادارہ مکتبہ کتاب و سنت (ریحان چیمہ، سیالکوٹ پاکستان) کے مدیر مولانا غلام مصطفیٰ فاروق کے بھی بے حد ممنون ہیں، جنھوں نے اس کتاب کی طباعت و اشاعت، تزئین و آرایش پر خوب محنت کی ہے اور کتاب کو ظاہری و معنوی محاسن سے آراستہ کیا ہے۔

علاوہ ازیں کتاب کی طباعت و اشاعت میں کسی بھی طرح سے تعاون کرنے والے اپنے تمام احباب کے بھی شکر گزار ہیں۔

فَجَزَاهُمُ اللّٰهُ خَيْراً فِى الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

ابو حسّان محمد منیر قمر نواب الدین

ترجمان سپریم کورٹ، الخبر

و داعیہ متعاون، مراکزِ دعوت و ارشاد

الخبر، الظہران، الدمام

(سعودی عرب)

الخبر - المحکمۃ الکبریٰ

یکم رمضان المبارک ۱٤۲٥ھ

۱۵ اکتوبر ۲۰۰٤ء

1 نابینا نے بینا کو راہ دکھلائی

اُس وقت میری عمر تیس (۳۰) سال تھی جب میری بیوی نے میرے پہلے بیٹے کو جنم دیا...... میں آج تک اس رات کو نہیں بھلا سکا...... کیونکہ میں رات گئے تک اپنے دوستوں کے ساتھ ایک ریسٹ ہاؤس میں بیٹھا رہا، جہاں ہم لایعنی باتوں میں رات گئے مصروف و مشغول رہتے تھے۔ اور اسی پر بس نہیں، بلکہ دوسروں کی چغلی کھانا، غیبت کرنا، ناجائز و حرام طور پر لوگوں کی پگڑیاں اچھالنا اور ان کا مذاق اڑانا اس پر مستزاد تھا...... دوسروں کو ہنسانے کا کام زیادہ تر میں ہی کیا کرتا تھا...... میں ہی زیادہ تر چغلی و غیبت کرتا اور میرے دوست سن سن کر کِھلکھلاتے اور قہقہے لگا لگا کر ہنستے تھے...... مجھے وہ رات اب بھی اچھی طرح سے یاد ہے کہ اُس رات میں نے انھیں خوب ہنسایا تھا۔

میں دوسروں کی نقلیں اتارنے کا عجیب ملکہ رکھتا تھا۔ میں اپنی آواز کو بدل کر اس شخص کی آواز کے قریب تر کر لیتا تھا جس کا مذاق اڑانا ہوتا تھا۔

جی ہاں! میں ہر کسی کا تمسخر اڑاتا رہتا تھا۔

اور تو اور خود میرے اپنے دوست بھی میرے ہاتھوں نہیں بچ پائے تھے، حتیٰ کہ بعض لوگوں نے مجھ سے کنارہ کشی اختیار کرنا شروع کر دی تھی، تاکہ وہ میری زبان کے تیر و نشتر سے محفوظ رہ سکیں..

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس رات میں نے بازار میں بھیک مانگنے والے ایک بھکاری کا مذاق اڑایا اور انتہائی خطرناک حرکت یہ کی کہ اس کے سامنے اپنا پاؤں کر کے اسے ایسا اڑنگا لگایا کہ وہ بیچارہ ٹھوکر کھا کر گرا اور پھر بیٹھ کر اپنے سر کو یوں پھیرنے لگا کہ گویا یہ کہہ رہا ہو کہ معلوم نہیں میں اسے کیا کہوں؟ میرے زور دار قہقہوں سے سارا بازار گھونج اٹھا...... اور میں حسبِ عادت اس رات بھی بہت دیر سے گھر لوٹا ..

کیا دیکھتا ہوں کہ میری بیوی میرے انتظار میں بیٹھی ہے اور اس کی حالت انتہائی قابلِ ترس نظر آرہی تھی۔ اس نے کپکپاتی اور ٹوٹتی ہوئی آواز میں مجھ سے مخاطب ہوکر کہا: راشد! تم کہاں تھے؟

میں نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا: میں مریخ پر تو نہیں تھا، اپنے دوستوں کے ساتھ ہی تھا۔ نقاہت وکمزوری کے آثار اس پر واضح نظر آرہے تھے۔ اس نے رندھی ہوئی آواز سے کہا:

راشد! میں بہت تکلیف میں ہوں۔ لگتا ہے بچے کی ڈلیوری کا وقت بہت ہی قریب آچکا ہے۔

یہ کہتے کہتے ایک خاموش آنسو اُس کے رخسار پر ڈھلک آیا۔ اب میرے اندر یہ احساس جاگنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کے بارے میں انتہائی بے پروائی سے کام لیا ہے۔ جبکہ میرا فرض یہ تھا کہ میں اس کا خیال رکھتا...... خصوصاً جبکہ وہ نویں مہینے میں تھی۔

میں فوراً اسے ہسپتال لے گیا، اسے میٹرنٹی وارڈ (METERNITY WARD) کے لیبر روم میں داخل کر لیا گیا، جہاں وہ کئی گھنٹے تکالیف و آلام

برداشت کرتی رہی۔

میں بڑی بے صبری سے بچے کی ولادت کا انتظار کر رہا تھا، حتی کہ میں انتظار کرتے کرتے تھک گیا...... اور گھر چلا آیا...... آتے ہوئے وہاں کے عملے کو اپنا فون نمبر دے آیا تا کہ وہ مجھے خوشخبری دے سکیں..

ایک گھنٹے کے بعد فون کی بیل (BELL) ہوئی، ریسیور اٹھایا تو ہسپتال والوں نے مجھے خوشخبری دی کہ تمھارے آنگن میں ایک پھول کھل گیا ہے، جس کا نام میں نے پہلے ہی سے سوچ رکھا تھا کہ ''سالم'' ہوگا۔

میں بڑی تیزی سے ہسپتال پہنچا، جاتے ہی میں نے عملے سے اپنی بیوی کا کمرہ پوچھا...... انھوں نے کہا کہ پہلے آپ اُس ڈاکٹر صاحبہ سے مل لیں جو ڈلیوری (DELIVERY) کی انچارج تھیں..

میں نے چلاّتے ہوئے کہا: کونسی ڈاکٹر صاحبہ سے مل لوں؟.. مجھے سب سے پہلے اپنے بیٹے ''سالم'' کو دیکھنا ہے۔

انھوں نے کہا: آپ پہلے ڈاکٹر صاحبہ سے مل لیجیے۔

میں ڈاکٹر صاحبہ کے کمرے میں داخل ہوا...... تو اس محترمہ نے مصائب ومشکلات اور آزمائشوں کے بارے میں گفتگو شروع کی اور اللہ کی لکھی تقدیر و قضا پر خوشی و رضا کی تلقین کرنے کے بعد بتایا کہ تمھارے بیٹے کی دونوں آنکھوں کو بغور دیکھنے سے پتا چل رہا ہے کہ وہ شاید بینائی کی نعمت سے محروم نابینا ہے!!

میں نے اپنا سر جھکا لیا۔ میں اپنے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا...... اور ساتھ ہی مجھے وہ نابینا بھکاری یاد آ گیا...... جسے سرِ بازار میں نے

اڑنگا لگا کر گرایا اور لوگوں کو اس پر ہنسایا تھا..

سبحان اللہ! سچ ہے: ''جیسا کرنا، ویسا بھرنا۔''

اور''جو بوو گے، سو کاٹو گے۔''(TIT FOR TAT)

تھوڑی دیر کے لیے شدّتِ غم سے میری زبان گنگ ہوگئی...... مجھے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا کہ میں کیا کہوں؟...... پھر مجھے میری بیوی اور بیٹا یاد آ گئے...... میں نے ڈاکٹر صاحبہ کے اس لطیف اندازِ نصیحت اور ملائم گفتگو پر اس کا شکریہ ادا کیا اور اپنی اہلیہ کو دیکھنے کے لیے چل دیا......

میری بیوی غمگین نہیں ہوئی...... وہ اللہ کی قضا و قدر پر ایمان رکھنے والی اور اس پر رضا مند تھی۔ اس نے ہمیشہ مجھے لوگوں کا مذاق اڑانے سے باز رہنے کی ہی نصیحت کی...... وہ ہمیشہ مجھے یہی کہا کرتی کہ لوگوں کی غیبت نہ کیا کریں...... اور نہ ہی کسی کی چغلی کھایا کریں۔

بیوی کو ڈسچارج (DISCHARGE) کروا کر ہم ہسپتال سے باہر نکلے اور سالم بھی ہماری گود میں تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ میں نے اپنے اس بیٹے کی کبھی پرواہ نہ کی تھی...... میں یہی سمجھتا جیسے کہ وہ گھر میں موجود ہی نہیں۔

جب کبھی وہ کسی وجہ سے زور زور کے ساتھ روتا تو میں بیڈ روم سے بھاگ نکلتا اور ڈرائنگ روم میں جا سوتا...... تاہم میری اہلیہ اس کا بہت خیال رکھتی تھی اور اسے بہت ہی لاڈ و پیار دیتی تھی...... جہاں تک میری ذات کا معاملہ ہے، میں اس سے نفرت تو نہیں کرتا تھا لیکن میں اس سے محبت بھی نہ کرسکا...... سالم بڑا ہوگیا...... اب اس نے گِھسٹ کر چلنا شروع کر دیا تھا......

اس کا گھسٹنا بھی کچھ عجیب قسم کا تھا...... اس کی عمر ایک سال ہونے کو آئی تھی اور اس نے چلنے کی کوشش شروع کی تو ہمیں ایک نئے انکشاف کا سامنا کرنا پڑا کہ وہ نابینا ہونے کے ساتھ ساتھ لنگڑا بھی ہے...... اب تو وہ مجھے پہلے سے بھی زیادہ بوجھ محسوس ہونے لگا تھا۔

اس کے بعد میری بیوی نے دو دوسرے بیٹوں عمر اور خالد کو بھی جنم دیا...... سالوں پہ سال گزرتے گئے...... سالم بڑا ہو گیا اور اس کے دونوں بھائی بھی بڑے ہو گئے...... میں گھر میں بیٹھے رہنا پسند نہیں کرتا تھا...... بلکہ ہمیشہ اپنے دوستوں کے ساتھ گھر سے باہر ہی زیادہ وقت گزارہ کرتا تھا۔

حقیقت تو یہ ہے کہ میں ان کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گیا تھا...... میری بیوی میری اصلاح سے کبھی مایوس نہیں ہوئی ......وہ ہمیشہ میری ہدایت اور سدھرنے کی دعائیں کرتی رہی اور میرے اس غافلانہ رویے پر اس نے ناراضگی کا اظہار کبھی نہیں کیا۔

البتہ جب کبھی سالم کے بارے میں میری لاپرواہی محسوس کرتی اور دوسرے بچوں سے میری محبت و شفقت دیکھتی......تو اس دورُخی پر وہ حزن و ملال میں مبتلا ہو جاتی...... سالم بڑا ہوتا گیا اور اس کے ساتھ ہی میرا غم بھی بڑھتا گیا۔ جب میری بیوی نے مطالبہ کیا کہ میں سالم کو اپاہج (DISABLE) بچوں کے اسپیشل سکول میں داخل کروا دوں تو میں نے اسے منع نہیں کیا...... مجھے سالوں پہ سال گزرتے چلے جانے کا کوئی احساس تک بھی نہیں ہوا، شب و روز ایک ہی طرز پر گزرتے جا رہے تھے۔ کام کرنا، سونا، کھانا اور راتوں کو بے مقصد جاگنا۔ جمعہ کا ایک دن تھا کہ میں دوپہر گیارہ بجے نیند سے بیدار

ہوا...... میرے نزدیک ابھی بہت سویرا تھا۔

میں ایک ولیمہ پارٹی میں مدعو (INVITED) تھا...... میں نے نیا خوبصورت لباس زیبِ تن کیا، اپنے آپ کو پرفیوم سے خوب معطّر کیا اور گھر سے باہر نکلنے کے لیے کوریڈور سے گزر رہا تھا کہ سالم پر نگاہ پڑی جو بڑی دلسوزی کے انداز سے رو رہا تھا...... اس منظر نے میرے قدم روک لیے...... سالم کے بچپن سے لے کر آج تک یہ پہلا موقع تھا کہ اس کے رونے نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا ہو۔ دس سال گزر گئے تھے کہ میں نے کبھی اس کی طرف توجہ نہیں دی تھی...... اس مرتبہ بھی میں نے اسے نظر انداز کرنے کی کوشش کی مگر مجھ سے برداشت نہیں ہوا...... میں کمرے میں ہی تھا کہ اس کے رونے اور اپنی ماں کو پکارنے کی آوازیں سن رہا تھا۔

میں اس کی طرف متوجہ ہوا...... پلٹ کر اس کے قریب گیا...... اور میں نے کہا: سالم! تم رو کیوں رہے ہو؟

جب اس نے میری آواز سنی تو رونا بند کر دیا اور جب اسے یہ شعور ہوا کہ میں اس کے قریب ہی ہوں تو اس نے اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کو اِدھر اُدھر گھما کر اپنے چاروں طرف کچھ ٹٹولنا شروع کر دیا...... اسے کیا ہوا ہے؟......

میں نے محسوس کیا کہ یہ تو مجھ سے دور بھاگنے کی کوشش کر رہا ہے!! اور یوں لگتا تھا کہ جیسے وہ زبانِ حال سے کہہ رہا ہو کہ ابو جان! اب آپ کو میرے وجود کا احساس ہوا ہے؟ گذشتہ دس سالوں کے دوران آپ کہاں تھے؟

میں اس کے پیچھے ہی ہو لیا جبکہ وہ اپنے کمرے میں داخل ہو گیا...... شروع میں تو اس نے اپنے رونے کی وجہ بتانے سے انکار کر دیا لیکن جب

میں نے اس سے اپنی شفقت و محبت کا اظہار کیا اور پیار سے سبب دریافت کیا تو اس نے اپنے رونے کا سبب بتانا شروع کر دیا۔ میں غور سے اس کی بات سن رہا تھا اور اندر ہی اندر خون کے آنسو پی رہا تھا۔

جانتے ہیں کہ اس نے اپنے رونے کی وجہ کیا بتائی تھی؟

وجہ یہ تھی کہ اس کا بھائی عمر اس کے پاس پہنچنے سے لیٹ ہو گیا تھا جو اسے مسجد پہنچایا کرتا تھا۔ آج چونکہ جمعہ کا دن تھا...... اسے ڈر لگنے لگا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو آج اسے نماز جمعہ کے لیے صفِ اول میں جگہ نہ ملے...... اس نے پھر سے کبھی عمر کو اور کبھی اپنی ماں کو آوازیں دینا شروع کر دیں...... مگر اُس کی آواز کو سننے والا اس کے قریب دوسرا کوئی نہیں تھا...... میں نے اس کی بے نور آنکھوں سے ٹپ ٹپ گرتے آنسوؤں کو دیکھنا شروع کیا...... اور میں ا س کی باقی گفتگو سننے کا متحمل ہی نہ ہوا...... میں نے اپنا ہاتھ اس کے منہ پر رکھ دیا...... اور اس سے کہا:

اے سالم! تم اس وجہ سے رو رہے ہو؟

اس نے کہا: جی ہاں!

میں اپنے دوستوں ساتھیوں کو بھول گیا...... میں دعوتِ ولیمہ کو بھی بھلا بیٹھا...... اور بے ساختہ میں نے کہا:

سالم! غمگین نہ ہو...... جانتے ہو آج تمھیں مسجد کون لے جائے گا؟

اس نے بڑی معصومیت سے کہا: یقیناً مجھے صرف عمر ہی مسجد لے جائے گا......لیکن مشکل یہ ہے کہ وہ ہمیشہ لیٹ ہو جاتا ہے۔

میں نے کہا: نہیں سالم! آج تجھے عمر نہیں بلکہ میں خود مسجد لے کر جاؤں گا۔

سالم یہ بات سن کر دم بخود سا رہ گیا...... اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ سمجھا کہ میں شاید اس کا مذاق اڑا رہا ہوں...... وہ لمحہ بھر کے لیے خاموش رہا اور پھر اس نے رونا شروع کر دیا...... میں نے اپنے ہاتھوں کے ساتھ اس کی آنکھوں سے برسنے والے آنسو پونچھے...... اور پھر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

میں نے ارادہ کیا کہ میں اسے گاڑی میں بٹھا کر مسجد پہنچاؤں...... مگر اس نے یہ کہتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ کر جانے سے انکار کر دیا:

''مسجد تو قریب ہی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اپنے قدموں پر چل کر مسجد جاؤں، کیونکہ ہر قدم ہر نیکی ملتی ہے۔''

اللہ کی قسم! اس نے مجھے یہی کہا ...... میں نہیں جانتا کہ مسجد میں آخری مرتبہ کب داخل ہوا تھا، لیکن یہ پہلی بار تھا کہ میں مسجد میں داخل ہوتے خوف اور ندامت محسوس کر رہا تھا... میرا یہ خوف وندامت گذشتہ کئی سالوں میں مجھ سے سرزد ہونے والی کوتاہی کی وجہ سے تھے...... مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی اور اپنی تنگ دامانی کا شکوہ کر رہی تھی، تاہم مجھے سالم کے لیے صفِ اول میں جگہ مل گئی۔

ہم دونوں نے اکٹھے ہی خطبہ جمعہ سنا اور اس نے میرے پہلو میں ہی نماز جمعہ ادا کی...... لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ سالم نے میرے پہلو میں نہیں بلکہ میں نے سالم کے پہلو میں نماز ادا کی...... نماز ادا کر چکے تو سالم نے مجھ سے قرآنِ کریم طلب کیا...... مجھے بڑا تعجب ہوا...... میں دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ یہ تو نابینا ہے، یہ قرآنِ کریم کی تلاوت کیسے کرے گا؟

قریب تھا کہ میں اس کی بات کو سنی اَن سنی کر دوں لیکن پھر میں نے

اس کا دل رکھنے کے لیے اسے قرآنِ کریم پکڑا ہی دیا تاکہ اس کے جذبات مجروح نہ ہوں...... اب اس نے مطالبہ کیا کہ میں قرآنِ کریم کو کھول کر سورۃ الکہف نکالوں...... میں نے صفحات کو الٹ پلٹ کرنا شروع کر دیا......کبھی میں سورتوں کی فہرست کو دیکھنے لگتا۔

غرض میں نے سورۃ الکہف کی جگہ نکال ہی لی...... اس نے قرآنِ کریم میرے ہاتھ سے لیا...... اسے اپنے سامنے رکھا...... اور سورۃ الکہف کی تلاوت شروع کر دی جبکہ اس کی دونوں آنکھیں بند تھیں۔

یا اللہ!! اسے تو پوری سورۃ الکہف زبانی یاد (حفظ) تھی!! اب میں دل ہی دل میں بہت شرمندہ ہوا...... میں نے بھی مصحف ہاتھ میں لے لیا...... میرے جوڑ جوڑ پر رعشہ کی حالت طاری تھی۔

میں نے قرآنِ کریم کی تلاوت کی۔ اور آج خوب تلاوت کی ...... اور اپنے رب سے دعائیں کیں کہ وہ مجھے میرے گناہ بخش دے اور مجھے راہِ ہدایت پر لگا دے...... اب مجھ سے اپنے دل پر قابو نہ رہا اور میں نے بچوں کی طرح پھوٹ کر رونا شروع کر دیا...... ابھی کچھ لوگ مسجد میں موجود تھے جو فرائضِ جمعہ کے بعد والی سنتیں پڑھ رہے تھے...... میں شرم کے مارے اپنے رونے پر قابو پانے لگا تو میرا رونا ہچکیوں اور سسکیوں میں بدل گیا...... مجھے اپنا کوئی ہوش نہ رہا کہ اسی عالم میں مجھے ایک ننھے منے ہاتھ کا شعور و احساس ہوا جو میرا چہرہ ڈھونڈ رہا تھا...... اور پھر اس نے میرے آنسو پونچھے۔

یہ سالم تھا...... میں نے اسے اپنی گود میں لے کر سینے سے لگا لیا.. میں

نے اس کی طرف دیکھا اور اندر ہی اندر کہنے لگا ......تم نابینا نہیں ہو...... بلکہ دراصل اندھا تو میں ہوں، جو ان فاسق و فاجر دوستوں کے پیچھے کھچا چلا جاتا رہا جو مجھے نارِ جہنم کی طرف گھسیٹتے لیے جارہے تھے ...

مسجد سے ہم باپ بیٹا دونوں گھر لوٹے تو دیکھا کہ میری بیوی سالم کے بارے میں بڑی تشویش میں مبتلا تھی .. لیکن اب اس کی تشویش خوشی کے جذبات سے مغلوب ہو کر آنسوؤں کی جھڑی کی شکل اختیار کر گئی کیونکہ اسے پتا چلا کہ آج سالم کے ساتھ میں نے بھی نماز جمعہ ادا کی ہے... وہ دن اور آج کا دن ... میں نے کبھی مسجد میں نمازِ باجماعت قضا نہیں ہونے دی... میں نے اپنی بُری سوسائٹی کو چھوڑ دیا اور بُرے ساتھیوں سے ناتا توڑ لیا۔ ان کی بجائے اب میری دوستی اُن اچھے اور نیک لوگوں سے ہو چکی تھی جن سے میرا ملنا جلنا مسجد میں ہوا ... ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے کے بعد میں نے ایمان کی صحیح حلاوت و شیرینی پائی اور خوب مزہ چکھا۔ ان سے میں نے وہ چیزیں سیکھیں جن سے مجھے دنیا داری نے غافل کر رکھا تھا۔

میں نے کبھی کوئی حلقۂ ذکر و درس نہیں چھوڑا اور نہ ہی میں نے کبھی نمازِ وتر و تہجد قضا ہونے دی ہے... اور صرف ایک ہی مہینے میں میں نے کئی مرتبہ پورے قرآنِ کریم کو ختم کیا۔ میں اپنی زبان کو ہمیشہ ذکرِ الٰہی سے تر رکھتا ہوں تاکہ شاید اللہ تعالیٰ اسی طرح ہی میرا دین سے دور رہنا، لوگوں سے تمسخر کرنا اور ان کا مذاق اڑانا مجھے بخش دے ...

میں نے محسوس کر لیا ہے کہ میں اب اپنے افرادِ خانہ سے پہلے کی نسبت بہت ہی قریب ہو گیا ہوں... اب وہ خوفزدہ سی اور ڈری ہوئی نظریں غائب

ہوگئی ہیں جو میری بیوی کی آنکھوں سے جھلکا کرتی تھیں... میرے بیٹے سالم کے ہونٹوں پر ہر وقت تبسّم و مسکراہٹ کھیلتی رہتی ہے.. جو اسے دیکھے وہ سمجھتا ہے کہ جیسے اسے پوری دنیا اور اس کی تمام تر دولتیں مل گئی ہیں.. میں اللہ تعالیٰ کی اِن نعمتوں پر اس کا بہت ہی زیادہ شکر ادا کرتا ہوں..

ایک دن میرے کچھ ساتھیوں نے پروگرام بنایا کہ دور دراز اور پسماندہ علاقوں کا سفر کیا جائے اور وہاں کے لوگوں میں صحیح عقیدہ کی طرف دعوت و تبلیغ اور خالص کتاب وسنت پر مبنی دینی تعلیمات کی نشر و اشاعت کا فریضہ سر انجام دیا جائے.. میں شروع میں کچھ متردّد رہا...

پھر میں نے اللہ سے راہنمائی طلب کرنے کے لیے نمازِ استخارہ پڑھی اور اپنی اہلیہ سے بھی مشورہ طلب کیا.. مجھے توقع تھی کہ وہ انکار کر دے گی... لیکن معاملہ اس کے سراسر برعکس نکلا! وہ میری بات سن کر بہت ہی خوش ہوئی... بلکہ فرحت ومسرّت کے اظہار کے ساتھ ساتھ ہی اس نے اس سلسلہ میں میری خوب ہمت بندھائی اور میری حوصلہ افزائی کی... وہ اس سے پہلے مجھے اس حالت میں دیکھا کرتی تھی کہ میں فسق وفجور پر مبنی اور گناہ بردوش سفروں کے لیے اس کے مشورے کے بغیر ہی نکل کھڑا ہوا کرتا تھا...

اب میں اپنے لاڈلے سالم کی طرف چل دیا... اسے میں نے بتایا کہ میں سفر میں جانے والا ہوں... اس نے مجھے اپنے دونوں ننھے ننھے ہاتھوں میں سمیٹ لیا اور فرحاں و شاداں مجھے الوداع کیا ... میں نے ساڑھے تین ماہ کا عرصہ اپنے گھر سے باہر گزارا ... اس دوران میں مجھے جب جب بھی موقع ملتا، میں اپنی بیوی سے فون پر رابطہ کرتا اور اپنے بیٹوں

سے بھی گفتگو کرتا... مجھے ان سب کی یاد بہت ستانے لگی تھی.. لیکن آہ! مجھے سب سے زیادہ سالم کی یاد آتی تھی... مجھے اس کی آواز سننے کی سخت تمنّا تھی... صرف اکیلا وہی تھا کہ جس نے جب سے میں سفر پر نکلا تھا، تب سے میرے ساتھ بات نہیں کی تھی ...

میرے فون کرنے پر کبھی وہ مدرسے میں ہوتا تو کبھی مسجد میں ہوا کرتا تھا... میں نے جب بھی سالم سے ملنے اور بات کرنے کی تمنا و شوق کا اظہار کیا تو میری بیوی فرحت ومسرّت سے کِھل اٹھتی اور خوشی کے جذبات سے مغلوب ہوکر اس سے ہنسی پھوٹ پھوٹ پڑتی .. سوائے میرے آخری فون پر.. اس مرتبہ میں نے اس کی متوقع ہنسی کی آواز نہیں سنی.. اس کی آواز کچھ بدلی بدلی سی تھی ..

میں نے اسے کہا کہ سالم کو میرا سلام دینا.. اس نے کہا: ان شاء اللہ.. اور پھر وہ خاموش ہوگئی.. بالآخر میں اپنا سفر مکمل کرکے گھر واپس لوٹ آیا.. میں نے اپنے گھر کے دروازے پر دستک دی.. اور دل ہی دل میں یہ تمنّا لیے ہوئے تھا کہ کاش دروازہ کھولنے کے لیے سالم آئے..

لیکن دروازہ کھولنے والا میرا بیٹا خالد تھا، جس کی عمر ابھی چار سال بھی نہیں ہوئی تھی.. میں نے اسے اپنی بانہوں میں لپٹا لیا اور وہ خوشی سے ابو، ابو چلاّئے جا رہا تھا.. پتا نہیں کہ گھر میں داخل ہونے کے بعد میں اپنے دل میں گھٹن سی کیوں محسوس کرنے لگا؟ میں نے شیطان کے شرّ سے اللہ کی پناہ طلب کی.. اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیم پڑھا.. اتنے میں میری اہلیہ میری طرف بڑھتی آرہی تھی.. اس کا چہرہ کچھ بدلا بدلا سا تھا.. وہ مصنوعی سی خوشی کا اظہار کر رہی تھی.. میں نے بغور اس کی طرف دیکھا.. پھر اس سے پوچھا:

تمھیں کیا ہوا ہے؟

اس نے کہا: کچھ بھی تو نہیں.. اتنے میں مجھے سالم کی یاد آ گئی۔

میں نے کہا: سالم کہاں ہے ؟

اس نے اپنا سر جھکا لیا.. اور منہ سے کوئی جواب نہیں دیا ..

تا ہم شدّتِ غم سے اس کی آنکھیں چھلک پڑیں اور ان سے گرم قسم کے آنسو اس کے رخساروں پر ڈھلک پڑے.. میں نے چلاّتے ہوئے کہا:

سالم !! سالم کہاں ہے؟

اس وقت مجھے صرف اپنے بیٹے خالد کی آواز سنائی دی، جو اپنی ننھی منی توتلی سی آواز سے کہہ رہا تھا:

بابا! تھالم تو دنّت میں تلا گیا ہے.. اللہ تے پاش..!!

میری اہلیہ اس منظر کو برداشت نہ کر سکی اور پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی.. قریب تھا کہ شدّتِ حزن وملال سے وہ زمین پر گر پڑے.. اب میں کمرے سے باہر نکل آیا۔

بعد میں مجھے پتا چلا کہ میرے واپسی کے پروگرام سے دو ہفتے قبل اسے سخت بخار آیا.. میری اہلیہ اسے ہسپتال لے گئی.. بخار مزید شدّت اختیار کر گیا.. جو اس کی جان چھوڑنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا... اور بالآخر اسی بخار کے نتیجے میں اس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

سالم وفات پا گیا.. وہ تو اپاہج و نابینا تھا... مگر مجھ جیسے آنکھوں والے اندھے کو راہ دکھلا گیا!!

2 ایک تھا بادشاہ

بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کا دل ہدایت کی راہ اختیار کرنے کا بڑا مشتاق ہوتا ہے.. لیکن غرور و تکبر انھیں احکامِ دین کی پیروی کرنے سے مانع ہوتا ہے۔ جی ہاں! اپنے کپڑوں کو ٹخنوں سے اوپر رکھنے اور ڈاڑھی بڑھا کر مشرکین کی مخالفت کرنے میں ان کا غرور و تکبر آڑے آجاتا ہے۔ ان کے نزدیک اپنے پروردگار کی اطاعت و فرماں برداری سے بڑھ کر ان کی جھوٹی شان و شوکت اور ظاہری حسن وجمال زیادہ مرغوب ومحبوب ہوتے ہیں۔

کچھ ایسا ہی معاملہ بعض عورتوں کا بھی ہوتا ہے.. وہ شرعی حجاب اور پردے کے معاملے میں سُستی کا مظاہرہ کرتی ہیں .. اس طرح اپنے زعم میں وہ اپنی زیب و زینت کی تکمیل کرتی اور اپنی ہیئت وصورت اور حُسن وجمال میں اضافہ کرتی ہیں.. ایسے ہی کچھ عورتیں اپنی بھنوؤں کے بال نوچ کر اور تنگ وچست لباس پہن کر اپنے رب کی نافرمانی کرتی ہیں.. اور جب انھیں نصیحت کرنا چاہیں تو سرکش ہو جاتی اور تکبر کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ حالاں کہ وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوسکتا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی غرور و تکبر موجود ہے چہ جائیکہ یہ

تکبر نہ صرف موجود ہو بلکہ قبولِ حق کی راہ میں رکاوٹ بھی بن رہا ہو۔

قبیلہ بنی غسّان کے بادشا ہوں میں سے ایک بادشاہ جبلہ بن ایہم تھا.. اس کے دل میں ایمان کا نور داخل ہوگیا اور وہ مسلمان ہوگیا.. اس نے امیرالمومنین سیدنا عمرفاروق رضی اللہ عنہ کی طرف خط بھیجا، جس میں اس نے ان کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی..سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور تمام صحابہ و تابعین اس بات کو سن کر بہت ہی خوش ہوئے.. چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے انھیں مکتوب لکھوا بھیجا اور انھیں حاضر ہونے کی اجازت عنایت فرمائی..ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ ''تمھارے لیے بھی وہی تمام حقوق ہیں جو ہم تمام مسلمانوں کے ہیں اورتم پر بھی وہی فرائض و ذمے داریاں عائد ہوتی ہیں، جو ہم سب پر ہیں۔

جبلہ اپنی قوم کے پانچ سو گھڑ سوار فوجی جوانوں کی معیت میں آیا.. جب وہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچا تو اس نے وہ شاہی لباس زیب تن کر لیا، جو سونے کی تاروں سے بنایا گیا تھا.. اس نے اپنے سر پر وہ تاج پہن لیا جو ہیروں اور جواہرات سے جڑا ہوا تھا.. اس نے اپنے فوجیوں کو بھی انتہائی فاخرانہ لباس پہننے کا حکم دِیا.. پھر وہ اپنے لاؤ لشکر سمیت مدینہ طیبہ میں داخل ہوا۔ اہلِ مدینہ میں سے سبھی لوگ انھیں دیکھنے کے لیے نکلے، حتیٰ کہ عورتیں اور بچے بھی اس قابلِ دید منظر کو دیکھنے کے خواہش مند تھے۔

جب شاہِ غسان جبلہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے یہاں پہنچا تو انھوں نے اسے خوش آمدید کہا اور اپنے قریب بٹھایا.. جب حج کا موسم آیا تو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فریضۂ حج ادا کیا.. ان کے ساتھ ہی جبلہ بھی حج کے لیے روانہ ہوا.. جب وہ طواف کر رہا تھا تو بنی فزارہ کے ایک فقیر و نادار آدمی کا پاؤں جبلہ کی چادر

پر پڑ گیا.. جبلہ نے غضبناک ہوکر اس کی طرف دیکھا..اس کے منہ پر زور سے تھپڑ دے مارا اور اس کی ناک توڑ دی.. اس پر بنی فزارہ کے اس غریب آدمی کو بڑا غصہ آیا..

اس نے جبلہ کے اس فعل کی شکایت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کر دی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کی طرف پیغام بھیج کر اسے اپنے پاس منگوایا اور پوچھا:

اے جبلہ! تم نے دورانِ طواف اپنے اس بھائی کے منہ پر تھپڑ کیوں مارا تھا؟ تم نے اس بیچارے کی ناک ہی توڑ دی ہے؟ اس نے پورے غرور و تکبر کے ساتھ جواب دیا: اس نے میری چادر پر اپنا پاؤں رکھا تھا..اگر مجھے بیت اللہ کی حرمت و تقدس کا پاس نہ ہوتا تو میں اس کی گردن اڑا دیتا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اب جبکہ تم اپنے اس فعل کا (اقرار و اقبالِ جرم) کر چکے ہو.. تمھیں دو کاموں میں سے ایک تو کرنا ہی ہوگا:

چاہو تو اسے کسی بھی طرح راضی کر کے اسے دعوے سے دست بردار کروا لو، ورنہ تم سے قصاص و بدلہ لیا جائے گا اور یہ مسکین و نادار فزاری شخص تمھارے منہ پر تھپڑ مارے گا..

جبلہ نے کہا: یہ مجھ سے بدلہ لے گا، جبکہ میں بادشاہ اور یہ ایک سڑک چھاپ و فقیر انسان ہے؟

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اے جبلہ! اسلام نے حقوق وفرائض میں تجھے اور اسے برابر کا حق دیا ہے.. اگر کسی کو دوسرے پر کوئی فضیلت اور زیادہ مرتبہ حاصل ہے تو وہ صرف

تقویٰ کی وجہ سے ہے .. جبلہ کہنے لگا:

تب پھر میں نصرانی (عیسائی) ہوجاتا ہوں... سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:)

''جو شخص اپنا دین بدل لے، اسے قتل کردو۔''

(صحيح البخاري، رقم الحديث: ٦٥٢٤)

اگر تم نصرانی ہو جاؤ گے تو میں تمھاری گردن اڑا دوں گا..

جبلہ نے کہا:

اے امیر المومنین! مجھے کل تک سوچنے کی مہلت عنایت فرمائیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جاؤ! تمھیں مہلت دی۔

جب رات ہوئی تو جبلہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے بھاگ نکلا.. وہ قسطنطنیہ جا پہنچا اور وہاں جا کر عیسائی ہو گیا..

جب اسے وہاں رہتے ہوئے ایک زمانہ گزر گیا.. لذتوں کا دور بیت گیا اور حسرتوں کا وقت آ گیا.. تب اسے پھر سے اپنے مسلمان ہونے کے دن یاد آ گئے.. اسے نماز اور روزے کی لذت ستانے لگی.. وہ دینِ اسلام کو ترک کرنے پر بہت ہی نادم ہوا.. اللہ رب العالمین کے ساتھ شرک کرنے پر پشیمان ہو کر رونے بیٹھ گیا اور ندامت کے ہاتھوں مغلوب ہو کر اس نے کچھ اشعار کہے، جن میں اس نے اپنے مرتد ہو جانے پر شرمندی کا اظہار کیا..

تَنَصَّرَتِ الْأَشْرَافُ مِنْ عَارِ لَطْمَةٍ
وَمَا كَانَ فِيهَا لَوْ صَبَرْتُ لَهَا ضَرَرُ

''اَشراف نے ایک تھپڑ کی عار سے عیسائیت قبول کر لی اور اگر وہ تھپڑ کھانا قبول کر لیتے تو اس میں کوئی ضرر و نقصان بھی نہ تھا۔''

تَكَنَّفَنِيْ مِنْهَا لَجَاجٌ وَنَخْوَةٌ
وَبِعْتُ لَهَا الْعَيْنَ الصَّحِيْحَةَ بِالْعَوَرِ

''مگر اس کے حوالے سے مجھے ضد اور تکبر نے آ گھیرا اور میں نے اس کے لیے صحیح و سلامت آنکھ کو بھینگی آنکھ کے بدلے بیچ دیا (یعنی اسلام چھوڑ کر عیسائیت کو قبول کر لیا)۔''

فَيَا لَيْتَ أُمِّيْ لَمْ تَلِدْنِيْ وَ لَيْتَنِيْ
رَجَعْتُ إِلٰى الْقَوْلِ الَّذِيْ قَالَ لِيْ عُمَرُ

''کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی، افسوس! میں عمر رضی اللہ عنہ کا کہنا مان لیتا۔''

وَيَا لَيْتَنِيْ أَرْعٰى الْمَخَاضَ بِقَفْرَةٍ
وَكُنْتُ أَسِيْراً فِيْ رَبِيْعَةٍ أَوْ مُضَرَ

''کاش! میں کسی ویرانے میں اونٹ چراتا ہوتا اور میں بنو ربیعہ یا بنو مضر کے پاس قید ہوتا۔''

وَيَا لَيْتَ لِيْ بِالشَّامِ أَدْنٰى مَعِيْشَةٍ
أُجَالِسُ قَوْمِيْ ذَاهِبَ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ

''کاش! میں ادنیٰ سی معیشت کے ساتھ شام میں اپنی قوم کے پاس اندھا اور بہرا بن کے بیٹھا رہتا۔''

مگر وہ عیسائی مذہب پر ہی اڑا رہا اور اسی حالت میں اسے موت آ گئی.. جی ہاں! وہ کفر کی حالت میں ہی مر گیا، کیوں کہ اس نے اللہ رب العالمین کی شریعت کے سامنے تذلل و انکساری اختیار کرنے سے تکبر کیا تھا۔

(البداية والنهاية: ٨/ ٦٢)

3 ایک داعی.. ڈانس کلب میں

ہمارے محلے میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی، جس میں ایک عمر رسیدہ اور بہت بڑے داعی و مبلّغِ دین لوگوں کی امامت کے فرائض سر انجام دیتے تھے.. انھوں نے اپنی ساری زندگی ہی لوگوں کو نماز پڑھانے اور انھیں دین کی تعلیم دینے میں بسر کر دی تھی.. انھوں نے محسوس کیا کہ نمازیوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے.. وہ نمازیوں پر خوب نظر رکھتے اور اس بات کا بڑا اہتمام کیا کرتے تھے .. وہ انھیں اپنی اولاد سمجھتے تھے..

ایک دن اس نیک انسان نے نمازیوں کی طرف متوجہ ہو کر کہا: اکثر لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ خاص طور پر نوجوان طبقہ مسجد کے قریب ہی نہیں آتا اور نہ ہی مسجد کی راہ جانتا ہے؟ مسجد میں موجود نمازیوں نے امام صاحب کو جواب دیا: لوگ رقص گاہوں اور لہو و لعب کی جگہوں میں مگن ہیں.. امام صاحب نے کہا: رقص گاہیں!! یہ رقص گاہیں کیا ہیں؟

ایک شخص نے کہا: رقص گاہ ایک ہال کی شکل میں ہوتی ہے جس میں لکڑی کا سٹیج بنا ہوا ہوتا ہے.. نوخیز دوشیزائیں اس پر چڑھ کر رقص (ڈانس) کرتی ہیں اور لوگ اردگرد بیٹھے، انھیں رقص کرتے دیکھتے ہیں.. یہ سنتے ہی امام

صاحب کی زبان سے **اَعُوْذُ بِاللّٰه** (اللہ کی پناہ) کے الفاظ نکلے اور بڑے تعجب سے انھوں نے پوچھا:

وہ لوگ جو اِن نوجوان لڑکیوں کا ڈانس دیکھتے ہیں، کیا وہ مسلمان ہوتے ہیں؟ لوگوں نے بتایا: ہاں..!

عمر رسیدہ شیخِ محترم نے بڑی **معصومیت** سے کہا: ''لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه،، (نیکی کرنے کی توفیق اور برائی سے بچنے کی طاقت صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے) اور پھر بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہنے لگے:

ہم پر واجب ہے کہ انھیں وعظ ونصیحت کریں اور سمجھائیں..لوگوں نے کہا:

اے شیخِ محترم! کیا آپ رقص گاہ میں جاکر لوگوں کو وعظ ونصیحت کریں گے اور انھیں سمجھائیں گے..؟

انھوں نے کہا: ہاں..!

پھر وہ اُٹھے اور مسجد سے باہر نکل گئے..وہ جاتے ہوئے یہ کہتے جا رہے تھے: ہمارے ساتھ آؤ کہ اس رقص گاہ (ڈانس کلب) میں چلیں..!

لوگوں نے انھیں ان کے ارادے سے باز کرنے کی کوشش کی.. انھوں نے شیخ صاحب کو مطلع کیا کہ وہاں جانے پر ہم سب کو ان لوگوں کے استہزاء و مذاق کا سامنا کرنا پڑے گا ..اور اذیت وکوفت برداشت کرنا پڑے گی..

امام صاحب نے کہا:

کیا ہم اپنے نبی حضرت محمد ﷺ سے بھی بڑے درجے والے ہیں؟

پھر شیخ صاحب نے نمازیوں میں سے ایک شخص کا ہاتھ تھاما اور اس سے کہا: مجھے رقص گاہ کا پتا ٹھکانا بتاؤ..شیخ چلتے گئے..اور پورے صدق وثبات

کے ساتھ آگے بڑھتے رہے حتیٰ کہ وہ رقص گاہ تک جا پہنچے .. ڈانس کلب کے مالک نے دور ہی سے انھیں آتے ہوئے دیکھ لیا .. وہ سمجھا کہ شاید یہ لوگ کہیں لیکچر یا درس دینے کے لیے جارہے ہیں .. جب وہ رقص گاہ کے پاس پہنچ گئے تو اسے بڑا تعجب ہوا .. جب وہ ڈانس کلب کے دروازے پر جا نکلے تو اس کے مالک نے ان سے پوچھا ..آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟

شیخ نے کہا:

ہم تمھاری اس ڈانس کلب میں محو تماشا لوگوں کو کچھ وعظ ونصیحت کرنا چاہتے ہیں..

یہ سن کر کلب کے مالک کو بہت ہی تعجب ہوا.. وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے انھیں دیکھنے لگا اور ان کا مطالبہ ماننے میں عذر معذرت کرنے لگا .. شیخ صاحب نے اسے بہت سمجھایا، اس کے لیے اجرِعظیم اور ثوابِ کثیر بتایا..لیکن وہ نہ مانا.. اب شیخ نے اجازت دینے کے معاوضے میں اسے مال دینے پر سودے بازی شروع کر دی..حتیٰ کہ انھوں نے اسے اتنا مال دینے کی پیشکش کر دی جتنی اس کی ایک دن کی کل آمدن ہوتی تھی..اس معاوضے پر ڈانس کلب کا مالک مان گیا..

لیکن اس نے مطالبہ کیا کہ وہ کل ڈیلی ڈانس پروگرام کے آغاز کے وقت آجائیں .. اگلا دن آیا .. لوگ رقص گاہ میں جمع ہو گئے .. سٹیج اور سارا ہال منکرات وفواحش سے پُر تھا..شیاطین ہال میں موجود لوگوں کو اپنے گھیرے میں لیے ہوئے تھے اور وہ ان کے لیے تالیاں بجا رہے تھے.. اچانک پردہ گرایا گیا .. اور پھر جب پردہ اُٹھا..تو لوگ کیا دیکھتے ہیں کہ سٹیج پر ایک باوقار شیخ کرسی لگائے بیٹھے ہوئے ہیں..سب لوگ یہ منظر دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے

.. انھیں سخت تعجب ہوا .. اور ان میں سے بعض لوگ تو سمجھے کہ یہ کسی مزاحیہ ڈرامے اور کامیڈی پروگرام کا کوئی حصہ ہے..

امام محترم نے اپنی گفتگو کے آغاز میں پہلے بسم اللہ پڑھی، پھر اللہ عزّوجل کی حمد و ثنا بیان کی... اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی پر درود و سلام بھیجا.. پھر انھوں نے لوگوں کو وعظ و نصیحت کرنا شروع کیا.. لوگ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے ..

بعض تو ہنسنے لگے.. اور بعض نے اس پر تنقید شروع کر دی۔ کچھ تو ایسے بھی تھے جنھوں نے شیخِ محترم پر فقرے کسنا، ان کا مذاق اڑانا اور ہوٹنگ (hooting) کرنا شروع کر دیا.. موصوف اپنے وعظ میں لگے رہے اور ان لوگوں کی باتوں اور حرکتوں پر کوئی توجہ نہ دی.. یہاں تک کہ وہاں موجود لوگوں میں سے ایک شخص اٹھا.. اس نے لوگوں کو خاموش کروایا.. اور ان سے مطالبہ کیا کہ تم ایک مرتبہ توجہ سے اس بزرگ کی بات تو سن لو.. لوگوں پر خاموشی چھانے لگی.. اور دلوں پر سکینت واطمینان کا نزول شروع ہو گیا.. یہاں تک کہ سب آوازیں بند ہو گئیں.. شیخ صاحب کے سوا کسی کی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

شیخ نے وہ باتیں کہیں جو انھوں نے اس سے قبل نہیں سنی تھیں.. وہ آیاتِ قرآنیہ پڑھیں جو پہاڑوں کو لرزا کر رکھ دینے والی ہیں.. احادیثِ رسول ﷺ اور مثالیں پیش کیں.. بعض نافرمانوں کی توبہ کے واقعات ذکر کیے.. اور خود اپنے آنسوؤں پر قابو پاتے ہوئے کہنے لگے: اے لوگو! تم طویل عرصے سے جی رہے ہو.. تم نے اللہ کی بہت نافرمانیاں کی ہیں.. ان نافرمانیوں کی لذت اب کہاں گئی ہے؟

وہ سب لذتیں تو گئیں البتہ اب صرف اعمال نامے کے سیاہ ورق رہ گئے ہیں.. ان نافرمانیوں کے بارے میں قیامت کے دن تم سے سوال کیا جائے گا .. عنقریب ایک ایسا دن آئے گا جب ہر چیز فنا ہو جائے گی اور صرف واحد و قہّار اللہ کی ذاتِ گرامی ہی رہ جائے گی۔

اے لوگو! کیا آپ نے اپنے اعمال پر کبھی نظر دوڑائی اور یہ سوچا ہے کہ وہ آپ کو کس طرف لیے جا رہے ہیں؟ آپ اس دنیا کی آگ کو برداشت نہیں کر سکتے جبکہ یہ جہنم کی آگ کے ستّر اجزاء میں سے ستّرواں حصہ (کم گرم) ہے۔

لوگو! اللہ نے تم سے ایسا کیا سلوک کیا ہے کہ تم اس کی نافرمانی پر اتر آئے ہو؟ کیا اس کی خیرات و برکات تم پر نازل نہیں ہو رہیں؟ جبکہ تمھاری طرف سے صرف شرّ ہی شرّ اٹھ رہا ہے .. وہ تم پر اپنی نعمتیں نازل فرما کر تمھیں اپنا محبوب بنا رہا ہے اور تم ہو کہ نافرمانیاں کر کے اس کے نزدیک ناپسندیدہ بننے پر تُلے ہوئے ہو..!

شیخ صاحب وعظ فرما رہے تھے اور فرطِ جذبات سے مغلوب ہو کر ان کی آواز رندھ رہی تھی .. ان کی زبان سے ادا ہونے والا ایک ایک لفظ ان کے دل کی گہرائیوں سے نکل رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر بات سننے والوں کے دلوں پر اثر انداز و چسپاں ہوتی جا رہی تھی.. اب لوگوں نے رونا شروع کر دیا تھا .. شیخِ محترم نے مزید وعظ کیا اور پھر تمام حاضرین کے لیے رحمت اور مغفرت کی دعائیں شروع کر دیں .. اور وہ سب بڑی عاجزی کے ساتھ ان کی دعاؤں پر آمین آمین کہتے جا رہے تھے .. اس کے بعد وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے... اس وقت ان کی شخصیت پر بڑا جلال و وقار طاری تھا۔

امام صاحب وہاں سے باہر نکل آئے.. ان کے پیچھے ہی تمام لوگ بھی باہر آگئے.. جی ہاں! سبھی لوگ.. ان تمام لوگوں نے اس بزرگ کے ہاتھ پر توبہ کرلی ..انھوں نے اس دنیا میں اپنے وجود کا بھید اور تخلیق کا مقصد پہچان لیا تھا.. انھیں اس بات کی بھی سمجھ آچکی تھی کہ قیامت کے دن جب اعمال نامے اڑیں گے اور برائیاں بہت بڑھ چکی ہوں گی تو اس وقت انھیں کوئی ڈانس اور کوئی لذت فائدہ نہ دے سکے گی .. اور تو اور خود ڈانس کلب کا مالک بھی توبہ تائب ہوگیا اور وہ بھی اپنے فعلِ ماضی پر نادم و شرمندہ تھا۔

4 گمراہ بوڑھا

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انسان حق کو پہچان لیتا ہے اور اس کی پیروی کرنا چاہتا ہے.. لیکن اسے متاعِ دنیا بہکا دیتی ہے اور وہ معصیت و نافرمانی پر ہی اڑا رہتا ہے.. جی ہاں! کبھی منصب و مال، کبھی جاہ و جلال اور کبھی دوستیاں قبولِ حق کی راہ میں رکاوٹ بن جاتی ہیں، آدمی اسی کی وجہ سے دین پر استقامت اختیار کرنا چھوڑ بیٹھتا ہے اور دنیا کی زندگی کو ترجیح دینے لگتا ہے.. حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ آخرت ہی بہتر اور دائمی ہے..

اعشیٰ بن قیس ایک بہت ہی بڑا اور قادر الکلام شاعر تھا.. وہ عمر کے لحاظ سے بڑھاپے کو پہنچ چکا تھا.. وہ نجد کے علاقہ یمامہ سے چلا، کیونکہ وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنا چاہتا تھا.. وہ اپنی سواری پر بیٹھا بڑے جذب و شوق کے ساتھ نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے لیے رواں دواں تھا اور فرطِ مسرّت سے وہ نبی اکرم ﷺ کی شان میں قصیدہ گوئی و نعت خوانی کرتا جا رہا تھا:

أَلَمْ تَغْتَمِضْ عَيْنَاكَ لَيْلَةً أَرْمَدَا
وَبَتَّ كَمَا بَاتَ السَّلِيْمُ مُسَهَّدَا

’’کیا آشوبِ چشم کی وجہ سے رات بھر تیری آنکھ نہ لگی اور تو نے سانپ گزیدہ شخص کی طرح بے خوابی میں رات بسر کی۔‘‘

أَلَا أَيُّهٰذَا السَّائِلِيُ أَيۡنَ يَمَّمَتۡ
فَإِنَّ لَهَا فِيُ أَهۡلِ يَثۡرِبَ مَوۡعِدًا

’’خبردار! اے مجھ سے دریافت کرنے والے! کہ میری اس اونٹنی نے کہاں کا قصد و ارادہ کیا ہے؟ (تو سن!) اہل یثرب کے ہاں اس کی ملاقات کا وقت مقرر ہے۔‘‘

نَبِيٌّ يَرٰى مَا لَا تَرَوۡنَ وَذِكۡرُهٗ
أَغَارَ لَعُمۡرِيُ فِيُ الۡبِلَادِ وَأَنۡجَدَا

’’وہ ایسا نبی ہے جو ان چیزوں کو دیکھ لیتا ہے، جنھیں تم نے نہیں دیکھتے اور ملک کے نشیب و فراز میں اس کی شہرت کا چرچا ہو چکا ہے۔‘‘

أَجِدُكَ لَمۡ تَسۡمَعۡ وَصَاةَ مُحَمَّدٍ
نَبِيِّ الۡإِلٰهِ حَيۡثُ أَوۡصٰى وَ أَشۡهَدَا

’’میں تجھے اس طرح پاتا ہوں کہ تو نے محمد (ﷺ) کی وصیت نہیں سنی، وہ اللہ کے نبی ہیں جنھوں نے وصیت اور تلقین کی۔‘‘

إِذۡ أَنۡتَ لَمۡ تَرۡحَلۡ بِزَادٍ مِنَ التُّقىٰ
وَلَاقَيۡتَ بَعۡدَ الۡمَوۡتِ مَنۡ قَدۡ تَزَوَّدَا

اگر تو نے (اس دنیا سے) تقویٰ کا زادِ راہ اور توشہ لے کر کوچ نہ کیا اور موت کے بعد تیری ملاقات ایسے شخص سے ہوئی جو (اس تقویٰ کے) زادِ راہ اور توشے سے مالا مال ہے۔‘‘

نَدِمْتَ عَلٰی أَنْ لَا تَکُوْنَ کَمِثْلِهٖ
فَتَرْصِدُ لِلْأَمْرِ الَّذِيْ کَانَا أَرْصَدَا

”تو تو اس پر نادم و پشیمان ہوگا کہ تو اس کی طرح کا نہ ہوا کہ تو بھی اس معاملے (حساب کتاب) کے لیے وہ کچھ تیار کرتا، جو اس نے تیار کیا ہے۔“

وہ جنگلوں اور صحراؤں کی وسعتوں کو طے کرتا چلا گیا، جذب وشوقِ زیارت اور حبِ مصطفیٰ ﷺ اسے نبی اکرم ﷺ کی طرف کھینچے لیے جا رہی تھی.. وہ اسلام لانے کی خواہش سے معمور اور عبادتِ اصنام و اوثان سے نافور تھا..

جب وہ مدینہ طیبہ کے قریب پہنچا تو بعض مشرکین آڑے آئے اور پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ اس نے انھیں بتایا کہ وہ اسلام قبول کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کی نیت سے جا رہا ہے.. تو مشرکین اس بات سے ڈر گئے کہ اگر یہ عظیم شاعر بھی مسلمان ہو گیا تو مسلمانوں کے نبی (ﷺ) کی قوت میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ پہلے ایک ہی شاعر سیدنا حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے اپنے شعروں سے ہمارا ناک میں دم کر رکھا ہے اور اگر عرب کا یہ معروف شاعر بھی مسلمان ہو گیا تو ہماری کیا درگت نہ بنے گی..؟

انھوں نے اس سے کہا:

اے اعشیٰ! تیرا اور تیرے آبا و اجداد کا دین ہی تمھارے لیے بہتر ہے۔

اس نے صاف جواب دیا اور کہا: نہیں، بلکہ حضرت محمد ﷺ کا دین ہی بہت بہتر، انتہائی مناسب اور درست ہے..

ان لوگوں نے ایک دوسرے کے منہ کی طرف دیکھا اور ایک دوسرے

سے مشورہ کرنے لگے کہ اسے دین اسلام قبول کرنے سے کیسے روکیں؟

اب انھوں نے اسے کہا:

اے اعشیٰ! وہ نبی تو زنا کاری کو حرام قرار دیتا ہے..اس نے کہا:

میں عمر رسیدہ اور بوڑھا آدمی ہوں... مجھے اب عورتوں کی کوئی حاجت ہی نہیں رہی ...

انھوں نے اسے یوں ورغلانا چاہا کہ وہ تو شراب کو حرام کہتا ہے، اس نے جواب دیا کہ یہ شرابِ خانہ خراب انسان کی عقل کو زائل کر دیتی ہے مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے.. جب انھوں نے دیکھ لیا کہ یہ تو اسلام لانے کا پختہ ارادہ کیے بیٹھا ہے، لہٰذا اب انھوں نے ایک دوسری خطرناک چال چلی اور اسے مال کا لالچ دیتے ہوئے کہا کہ اگر تم اسلام قبول نہ کرو اور اپنے آبائی دین کے ساتھ ہی یہیں سے واپس لوٹ جاؤ تو اس کے عوض میں ہم آپ کو ایک سو اونٹ دیں گے..

اب اس نے مال کے بارے میں سوچنا شروع کیا کہ یہ تو بہت بڑی دولت و ثروت ہے ، اب شیطان اس کی عقل پر غالب آ گیا اور وہ مال کی پیشکش (Offer) کے سامنے ڈھیر ہوگیا.. ان کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگا:

ہاں! البتہ تمھاری یہ مال کی پیشکش مجھے منظور ہے..انھوں نے اس کے لیے سو اونٹ جمع کیے..اس نے وہ سب لیے اور واپس اپنی قوم کی طرف اپنے کفر کے ساتھ ہی لوٹ گیا۔ وہ اپنے آگے آگے سو اونٹ ہانکے لیے جا رہا تھا اور اس متاعِ دنیا پر بڑا شاداں و فرحاں تھا... اس کے دماغ میں یہ بات گردش کر رہی تھی کہ اس کے پاس شعروں کی ثروت کے ساتھ ساتھ ہی جاہ و منزلت

اور تونگری و دولت مندی بھی جمع ہوگئی تھیں لیکن وہ اس بات کو بھلا بیٹھا کہ اللہ گھات لگائے ہوئے ہے.. وہ دولتِ دنیا کے لیے اللہ کی معصیت و نافرمانی پر کیوں اڑ گیا، جبکہ اللہ تو وہ ذاتِ والا صفات ہے کہ زمین و آسمان کے تمام خزانے اس کے ہاتھ میں ہیں .. وہ اپنے علاقے میں پہنچنے ہی والا تھا کہ اپنی اونٹنی سے گِرا اور اس کی گردن ٹوٹ گئی اور وہ موقع پر ہی ہلاک ہوگیا ..

﴿خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ﴾ [الحج: ١١]

''دنیا وآخرت دونوں جہاں کا خسارہ اس کا مقدر بن گیا، واقعی یہ بڑا ہی واضح نقصان ہے۔''

5 سارہ بیٹی

ٹریفک سگنل کی سرخ لائٹ جل رہی ہے اور پوری سڑک گاڑیوں سے بھری ہوئی ہے.. طے شدہ وقتِ ملاقات میں صرف چند منٹ ہی رہ گئے ہیں... اس ٹریفک سگنل کا ستیاناس ہو، کاش میں پہلی لائن میں ہوتا تو سگنل کاٹ کر بھی آگے نکل جاتا.. سیکنڈ بھی بڑی آہستگی سے گزر رہے تھے... جیسے وہ منٹ منٹ بلکہ گھنٹے گھنٹے کے لگ رہے تھے .. بیتابی کے عالم میں مَیں کبھی اپنی گھڑی کی طرف دیکھتا اور پھر دوسرے ہی لمحے نظر ٹریفک سگنل پر ہوتی .. آخر کار سبز سگنل روشن ہو گیا..

میں نے گاڑی کے ہارن پر ہاتھ رکھ کر اتنے زور سے ہارن بجایا کہ دوسرے تمام لوگ پریشان ہوگئے... گاڑیاں آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگیں.. میں نے اپنے آگے والی گاڑی کو اورٹیک (overtake) کیا...قریب تھا کہ افراتفری کے عالَم میں دوسری گاڑی کے ساتھ ٹکرا جاتا.. گاڑی چلانے کے اندھا دھند انداز نے دوسرے لوگوں کو خوفزدہ کر دیا..

میں نے مزید تیز چلنے کی کوشش کی... مگر بھیڑ زیادہ ہونے کی وجہ سے میں ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا .. وقت گزر گیا.. میری اپوائنٹ مینٹ نکل

گئی .. میں طے شدہ مقام پر پہنچا تو میرے دوستوں میں سے کوئی بھی وہاں نہ ملا.. وہ سب جا چکے تھے.. میں کہاں جاؤں؟.. مجھے اپنے اس سوال کا جواب نہیں مل رہا تھا۔

میں نے اپنے سینے سے ایک طویل سانس نکالی.. کاش! مجھے ان کی جگہ کا پتا چل جائے!.. اب میری گاڑی بڑی آہستگی کے ساتھ چل رہی تھی.. میں سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا... اتنے میں ایک دوسری گاڑی کے ہارن نے مجھے ہوش دلایا اور سوچوں کے سمندر سے باہر نکالا..

میں نے اس گاڑی والے کو بڑے غصے کے ساتھ غضبناک نگاہوں سے دیکھا.. اور اسے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ جلدی نہ مچاؤ .. یہ دنیا کہیں اڑی تو نہیں جا رہی... یہ کہتے ہوئے میں چند منٹ پہلے والی اپنی حالت بھول ہی گیا تھا.. میں نے دل میں یہ ٹھان لی کہ میں آج اپنے گھر میں رات گزاروں گا.. یہ اچھی سوچ تھی.. میری اکلوتی بیٹی بیمار ہے.. لہٰذا بہتر یہ ہے کہ میں اس کے قریب ہی رہوں.. میں نے ایک ویڈیو سنٹر کے سامنے اپنی گاڑی کھڑی کی اور اس دوکان میں داخل ہو گیا.. وہاں سے میں نے کئی فلمیں لیں اور اپنے گھر کی طرف چل دیا.. میں نے گھر کا دروازہ کھولا اور اپنی بیوی کو آواز لگائی کہ چائے اور اخروٹ، بادام، پستا، کاجو وغیرہ (NUTS) لاؤ.. وہ کمرے میں داخل ہوئی اور اسے دیکھتے ہی میرے دل میں آیا:

یہ کتنے ٹیڑھے دماغ والی عورت ہے... ابھی یہ کہے گی:

احمد! اللہ سے ڈرو.. لیکن میں اس کے ان کلمات کو سننے کا عادی ہو چکا ہوں... حتیٰ کہ ان کلمات کے سلسلے میں میرے احساسات ماند پڑ چکے ہیں..

لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ بڑی اطاعت شعار ...فرمانبردار اور نیک بیوی ہے۔ میری خوشی کی خاطر وہ ہر خدمت سرانجام دیتی ہے.. وہ کمرے میں داخل ہوئی تو چائے اور ڈرائی فروٹ کی ٹرے اس کے ہاتھوں میں تھی.. وہ مجھے دیکھ کر بڑے پیار سے مسکرائی... اور یوں گویا ہوئی ... یقیناً آپ اپنے دوستوں کے ساتھ رتجگے کاٹ کاٹ کر تھک گئے ہوں گے اور اب گھر میں ہی وقت گزارنا چاہتے ہوں گے..؟ میں نے کہا:

ہاں..آؤ بیٹھو..فرحت و خوشی کے آثار سے اس کا چہرہ چمک اٹھا... وہ بیٹھنے ہی لگی تھی کہ میں ٹی وی کی طرف لپکا... پھر چند ہی لمحات میں ان سے بے ڈھنگے میوزک کا ایک طوفانِ بدتمیزی اٹھنے لگا.. اس بے چاری نے اپنا سر جھکا لیا اور کہا:

احمد! اللہ سے ڈرو .. یہ کہتے ہوئے وہ بڑی حسرت و ہزیمت کے جذبات لیے کمرے سے باہر نکل گئی... کیونکہ وہ میوزک نہیں سنتی.. کمرے میں زور دار آوازیں اٹھنے لگیں.. میوزک، چیخ چنگاڑ اور قہقہے.. میں نے چائے پینا اور ڈرائی فروٹ کھانا شروع کر دیا.. میری آنکھیں ٹی وی سکرین پر گڑی ہوئی تھیں.. ایک ویڈیو کیسٹ ختم ہوئی.. پھر دوسری بھی ختم ہوگئی.. گھڑی کی سوئیاں رات... بلکہ سحری کے تین بجنے کا اشارہ دے رہی تھیں.. اچانک دروازے کا ہینڈل بڑی آہستگی سے حرکت میں آیا.. میں نے چلاّتے ہوئے کہا:

کیا چاہتی ہو...؟

مجھے کوئی جواب سنائی نہ دیا.. دروازہ کھلا اور میری اکلوتی بیمار بیٹی کمرے میں داخل ہوئی.. یہ اتنا اچانک اور غیر متوقع ہوا کہ میں چند لمحوں کے لیے

بالکل خاموش رہ گیا ... ایک لفظ بھی نہ بول پایا .. وہ میرے قریب آ گئی .. پہلے اس نے بڑے پُرسکون انداز سے مجھے دیکھا اور پھر کہا:

ابو جان! اللہ سے ڈریں .. ابو جان! اللہ سے ڈریں... اتنا کہہ کر وہ چل پڑی اور جاتے ہوئے دروازہ بند کر گئی..

میں نے اسے آواز دی: سارہ! اس نے کوئی جواب نہ دیا..

اب میں اٹھ کر اس کے پیچھے بھاگا .. مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ میری بیٹی ہی ہے..؟ میں نے بیڈ روم (BED ROOM) کا دروازہ کھولا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ میرے اندر داخل ہونے سے پہلے ہی بستر پر چڑھ کر اپنی ماں کی گود میں لیٹ چکی تھی.. وہ یقیناً وہی تھی.. میں دوبارہ ٹی وی لاؤنج کی طرف لوٹ گیا اور جا کر ٹی وی بند کر دیا ... میری بیٹی کی آواز سے کمرہ گونج رہا تھا:

ابو جان! اللہ سے ڈریں... ابو جان! اللہ سے ڈریں..

میرے جسم پر کپکپی طاری ہو گئی.. میں سر سے پاؤں تک پسینا پسینا ہو گیا... پتا نہیں کہ مجھے کیا ہو گیا تھا..؟

مجھے اس کی آواز کے سوا کچھ سنائی نہ دے رہا تھا... اس کی صورت میری آنکھوں میں یوں بس گئی کہ مجھے کچھ اور نظر ہی نہیں آ رہا تھا.. اس کی آواز نے ان تمام پردوں کو چاک کر دیا جو ایک طویل عرصہ سے میرے سینے اور دماغ پر پڑے ہوئے تھے.. ترکِ نماز.. اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانیاں ... تمباکو نوشی.. گندی فلمیں... میری بیٹی نے جھٹک کر مجھے خوابِ غفلت سے بیدار کر دیا.. میرے دل کی دھڑکنیں تیز تیز چلنے لگیں.. عجیب بے کسی کی کیفیت میں مَیں زمین پر ڈھیر ہو گیا..

میں نے سونے کی بہت کوشش کی...لیکن کامیاب نہ ہو سکا.. وقت بڑی تیزی کے ساتھ گزر گیا.. میں نے ماضی کی تمام کرتوتوں کو باری باری تصور میں لا کر اپنے سامنے پیش کیا...مگر ہر ایک کے تصور پر میں اپنی بیٹی کی گھونجتی ہوئی آواز سنتا: اللہ سے ڈریں.. اللہ سے ڈریں.. عین اس وقت اذانِ فجر کی صدا فضاؤں میں بلند ہوئی... میرا جسم لرز اُٹھا ... میرا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ میرے ہاتھ پاؤں پر گویا رعشہ طاری ہو چکا تھا.. اتنے میں مؤذّن نے یہ کلمات دہرانے شروع کر دیے:

''اَلصَّلَاۃُ خَیرٌ مِّنَ النَّوۡمِ'' ''نماز نیند سے بہت بہتر ہے۔''

اس پر بے اختیار میری زبان سے نکل رہا تھا: تم سچ کہہ رہے ہو...نماز نیند سے بہتر ہے.. اُفووہ.. میں گذشتہ تمام سال ... ایک طویل عرصہ تک سویا ہی پڑا رہا۔ پھر میں اٹھا، وضو کیا اور مسجد کی طرف چل دیا.. میں مسجد کے راستے پر یوں چل رہا تھا گویا میں اسے جانتا ہی نہیں.. یوں لگ رہا تھا جیسے نسیمِ صبح مجھ پر غصہ جھاڑ رہی ہو اور زبانِ حال سے کہہ رہی ہو...تم آج تک کہاں تھے..؟

ایسے لگ رہا تھا جیسے آسمان کی پہنائیوں میں محوِ پرواز پرندے کہہ رہے ہوں: خوش آمد...اس طویل عرصہ سے سوئے پڑے رہنے والے کو ... جو آخر کار بیدار ہو ہی گیا ہے.. میں مسجد میں داخل ہوا.. نمازِ فجر سے پہلے دو سنتیں پڑھیں اور پھر بیٹھ کر قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے لگا.. تلاوت کرتے ہوئے میری زبان اٹک اٹک کر چل رہی تھی.. ایک عرصہ ہوا تھا کہ میں نے کبھی تلاوت نہیں کی تھی .. مجھے یوں محسوس ہوا جیسے قرآن مجھ سے پوچھ رہا ہو: تو نے کئی سالوں سے مجھے کیوں چھوڑ رکھا تھا..؟ کیا میں تیرے رب کا کلام نہیں ہوں..؟

میں سورۃ الزمر کی یہ آیت بار بار دیر تک پڑھتا رہا، جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾

[الزمر: ۵۳]

''[میری جانب سے] کہہ دیں کہ اے میرے بندو! جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، تم اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی بخشش والا، بڑی رحمت والا ہے۔''

عجیب! اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف کر دیتا ہے.. اللہ ہم پر کتنا مہربان ہے..!! میری تمنا تھی کہ میں قرآن پڑھتا ہی چلا جاؤں.. لیکن مؤذّن نے اقامت کہنا شروع کر دی.. لمحہ بھر کے لیے میں اپنی جگہ پر جم کر رہ گیا.. پھر میں لوگوں کے ساتھ آگے بڑھ گیا اور صف میں کھڑا ہو گیا.. میں اپنے آپ کو بڑا اجنبی سا محسوس کر رہا تھا.. نماز ختم ہو گئی ... میں سورج طلوع ہونے تک مسجد میں ہی بیٹھا رہا.. پھر میں واپس گھر آ گیا..

میں نے بیڈ روم کا دروازہ کھولا.. اپنی بیوی اور سارہ پر نظر ڈالی.. وہ دونوں سو رہی تھیں.. میں نے انھیں سوتے ہی چھوڑا اور خود ڈیوٹی پر روانہ ہو گیا.. یہ میری عادت نہیں تھی کہ علی الصبح کام پر روانہ ہو جاؤں.. یہی وجہ ہے کہ میرے دفتر کے لوگ صبح صبح مجھے دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے۔ ہر طرف سے مبارک مبارک کی آوازیں اٹھنے لگیں... جن میں تہنیت و مبارکباد کے جذبات سے

زیادہ طنز و تشنیع کی کاٹ تھی.. میں نے ان کی باتوں کی پرواہ نہ کی.. میری نگاہیں دروازے پر لگ گئیں .. مجھے ابراہیم کی آمد کا شدت سے انتظار تھا ..

یہ بھی دفتر میں میرا ساتھی ہے... اس نے ہمیشہ مجھے پندونصیحت کی.. وہ بہت ہی اعلیٰ اخلاق کا مالک شخص ہے... حسنِ معاملہ تو اس کی فطرت تھی۔ آخرکار ابراہیم پہنچ گیا.. میں اپنی جگہ سے اٹھا اور اس کا استقبال کیا.. اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا.. اس نے مجھے پوچھا: تم احمد ہی ہو ناں..؟

میں نے کہا: ہاں! میں احمد ہی ہوں ..

میں نے اس کا ہاتھ کھینچا اور کہا: میں تم سے بات کرنا چاہتا ہوں..

اس نے کہا:

کوئی بات نہیں .. ہم دفتر میں بیٹھ کر ہی بات کر لیتے ہیں..

میں نے کہا:

نہیں.. ہم ریسٹ ہال(REST HALL) میں چل کر بیٹھتے ہیں..

ابراہیم خاموش ہوگیا اور میری باتوں کو بغور وہمہ تن گوش ہوکر سننے لگا.. میں نے اسے کل رات کا سارا ماجرا کہہ سنایا.. اس کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا اُٹھیں.. اور ساتھ ہی اس کے چہرے پر خوشی کی مسکراہٹ کھیلنے لگی۔ اس نے مجھ سے کہا:

یہ نور ہے، جس نے تیرے دل کو روشن کر دیا ہے، اب اسے گناہوں اور نافرمانیوں سے بجھا نہ دینا..

اگرچہ میں رات بھر سویا نہیں تھا... پھر بھی آج کا دن بڑا ہی پُرنشاط اور کیفوسرور سے معمور تھا.. میں کام کی لگن میں مگن تھا اور مسکراہٹ میرے چہرے پر کھیلتی رہی۔ اپنے کام کے لیے آنے والے لوگ میری طرف آتے اور تعاون

طلب کرتے .. بعض نے تو مجھے کہا: آج یہ کیسی نشاط و سرگرمی ہے؟

میں نے جواب دیا: یہ مسجد میں نمازِ فجر باجماعت ادا کرنے کی برکت ہے۔

بیچارہ ابراہیم .. دفتری کام کا زیادہ تر بوجھ وہی اٹھایا کرتا تھا .. مجھے تو سونے کے سوا کوئی فکر ہی نہ ہوتی تھی.. لیکن اس نے میری اس حرکت پر کبھی ناراضی دکھلائی اور نہ ہی کبھی افسرانِ بالا سے میری شکایت کی.. وہ کتنا اچھا انسان ہے.. یہ دراصل اس ایمان کا کرشمہ ہے جس کی حلاوت وشیرینی دلوں میں رچ بس گئی ہو.. ڈیوٹی ٹائم کا اکثر حصہ گزر گیا اور مجھے کوئی تھکاوٹ محسوس نہ ہوئی..

ابراہیم نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا: احمد! اب تمھارا گھر چلے جانا ضروری ہے، کیونکہ تم کل رات سے سوئے نہیں ہو.. تمھارا بقیہ کام میں کر دوں گا..

میں نے گھڑی پر نگاہ ڈالی.. نمازِ ظہر کی اذان میں اب صرف چند منٹ ہی باقی تھے.. میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں دفتر میں ہی رہوں گا.. مؤذّن نے اذان کہی.. میں فوری طور پر مسجد پہنچ گیا .. صفِ اول میں جگہ حاصل کی اور بیٹھ گیا.. اب مجھے اپنے اُن ایام پر بہت ہی ندامت محسوس ہونے لگی جب میں نماز کے وقت سب چھوڑ چھاڑ کر باہر بھاگ جایا کرتا تھا.. نمازِ ظہر کے بعد میں گھر کی طرف چل دیا.. راستے میں مجھے عجیب قلق و اضطراب کی کیفیت نے گھیر لیا.. معلوم نہیں سارہ کا کیا حال ہے..؟ مجھے گھٹن سی محسوس ہونے لگی.. میں سمجھ نہ سکا کہ اس کا سبب کیا ہے..؟

مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے آج دفتر سے گھر تک کا یہ راستہ بہت ہی طویل ہو گیا.. میرے خوف اور پریشانی میں اضافہ ہونے لگا.. میں نے بے اختیار ہو کر آسمان کی طرف نگاہیں اٹھائیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ وہ میری بیٹی

سارہ کو فوری طور پر شفائے کامل عطا کر دے..

میں گھر پہنچ گیا.. دروازہ کھولا اور اپنی اہلیہ کو آواز دی.. مجھے کوئی جواب نہ ملا.. میں جلدی جلدی بیڈ روم میں داخل ہوا.. میری بیوی اپنی جگہ پر سکڑی سمٹی بیٹھی رو رہی تھی.. مجھے دیکھتے ہی چلا اُٹھی اور روتے ہوئے کہا:

سارہ فوت ہوگئی ہے.. مجھے اس کی بات سمجھ نہ آئی.. میں سارہ کی طرف کھنچا چلا گیا اور اسے اپنے سینے سے لگا لیا.. میں نے اسے اپنی گود میں بھرنا چاہا، مگر اس کا ہاتھ زمین کی طرف لٹک گیا.. اس کا جسم بہت ٹھنڈا ہو چکا تھا.. یہی حال اس کے ہاتھ پاؤں کا تھا.. اس کی نبض.. اس کی سانس.. مجھے کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا تھا.. میں نے اس کے ماتھے پر نظر ڈالی.. ایک نور چمک رہا تھا.. جیسے وہ کوئی چمک دار ستارہ ہو.. میں نے اسے بیدار کرنے کی کوشش کی.. اسے ہلایا.. زور زور سے جھنجھوڑا.. اس کی ماں سارہ سارہ کہہ کر چلائی اور کہنے لگی کہ سارہ فوت ہو چکی ہے... پھر وہ پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی...

میں جو کچھ دیکھ رہا تھا مجھے اس کا یقین نہیں آرہا تھا.. یوں لگ رہا تھا جیسے میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔ میری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور میں سسکیاں بھرنے لگا.. میں اس کے خوبصورت چہرے اور نرم و نازک بالوں کو دیکھ رہا تھا.. اور اس کا ننھا منا سا منہ چوم رہا تھا... مجھے اس وقت بھی یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کہہ رہی ہو: ابو جان! یہ بری بات ہے.. ساتھ ہی مجھے یاد آ گیا کہ یہ ایک آزمایش ہے، چناں چہ میں نے ان کلمات کو دہرانا شروع کر دیا..

«لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ»

''مجھ میں نیکی کرنے کی طاقت اور برائی سے بچنے کی قوت صرف
اللہ تعالیٰ ہی کی توفیق سے ہے۔''

﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ﴾

''ہم سب اللہ کے لیے ہیں اور ہم سب اسی کی طرف لوٹ کر جانے
والے ہیں۔''

میں نے اپنے ساتھی (COLLEAGUE) ابراہیم کو فون کیا اور اسے کہا کہ فوراً آجاؤ.. میری سارہ بیٹی فوت ہوگئی ہے .. زنان خانے میں عورتیں میری بیوی کے ساتھ مل کر سارہ کو غسل دے رہی ہیں .. بالآخر وہ اس کے غسل سے فارغ ہوگئیں..

پھر انھوں نے اس کے معصوم اور پاک جسم کو ایک سفید کپڑے (کفن) میں لپیٹ دیا.. میری بیوی نے مجھے آواز دی اور اندر بلایا.. میں گیا تاکہ سارہ بیٹی کو آخری مرتبہ الوداع کہہ سکوں.. شدتِ غم سے میں اس قدر نڈھال ہو چکا تھا کہ گرنے کے قریب ہوگیا.. میں نے اپنے آپ پر قابو پایا اور اس کی پیشانی کو بوسہ دیا.. میں نے اسی وقت سے عہد کر لیا کہ موت آنے تک میں راہِ دین پر ثابت قدم رہوں گا.. میں نے اس کی ماں کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہیں تھکی ہوئی تھی ... چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا اور وہ اپنے کپڑے جھٹک رہی تھی.. میں نے اسے کہا:

غم نہ کرو.. اللہ کے فضل سے۔ان شاء اللہ۔ وہ سیدھی جنت میں جائے گی.. اس سے ہماری ملاقات اب وہیں ہو گی.. اب عمل کے لیے کمر بستہ ہو جاؤ تاکہ وہ ہمارے لیے سفارش کر سکے...

پھر میں نے سورت طور کی وہ آیت پڑھی جس میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ كُلُّ امْرِیءٍۢ بِمَا كَسَبَ رَهِیْنٌ﴾

[الطور: ۲۱]

''اور جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے بھی ایمان میں ان کی پیروی کی، ہم ان کی اولاد کو ان تک پہنچا دیں گے اور ان کے عمل سے ہم کچھ کم نہ کریں گے، ہر شخص اپنے اپنے اعمال کا گروی ہے۔''

سارہ کی ماں رونے لگی اور میں بھی رو پڑا ... ہم نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھی.. اور اسے لے کر قبرستان کی طرف چل دیے.. میں اس کے جنازے کو دیکھ رہا تھا اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں اس نور کو دیکھ رہا ہوں، جس نے میری زندگی کی راہیں روشن کر دی تھیں .. ہم قبرستان پہنچے جو انتہائی وحشت ناک اور بڑی ہی خوفناک جگہ ہے..

اندر داخل ہو کر ہم قبر کی جگہ کی طرف چل دیے.. میں قبر کے کنارے پر کھڑا ہو گیا .. میں سوچ رہا تھا کہ یہاں میں اپنی بیٹی کو دفن کر جاؤں گا .. میری حالت کو بھانپتے ہوئے ابراہیم نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا .. احمد! صبر وہمت سے کام لو.. اب میں خود قبر میں اتر گیا .. مجھے خیال آ رہا تھا کہ اے احمد! تیرا آخری ٹھکانا بھی تو یہی ہے.. جو آج بھی بن سکتا ہے ... ورنہ کل تمھارا ضرور ہو گا ..تم نے اس ٹھکانے کے لیے کیا تیاری کی ہے..؟

مجھے ابراہیم کی آواز نے تصور کی دنیا سے نکالا:

احمد! بچی کو پکڑو.. میں نے سفید کفن میں ملبوس اپنی ننھی لختِ جگر کو اپنے

سینے پر رکھ لیا.. میرا جی چاہ رہا تھا کہ کاش! یہیں اسے اپنے سینے میں ہی دفن کرسکوں۔ میں نے اسے اپنے ساتھ چمٹا لیا اور اسے جی بھر کر چوما.. پھر میں نے اسے اس کے دائیں پہلو پر لحد میں رکھا اور کہا:

«بِسْمِ اللّٰهِ وَ عَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ»

''اللہ کے نام کے ساتھ اور رسول اللہ ﷺ کی ملت پر۔''

پھر میں نے لحد کے آگے اینٹیں چن دیں اور تمام سوراخوں کو اچھی طرح بند کر دیا.. اب میں قبر سے باہر نکل آیا.. لوگوں نے قبر پر مٹی ڈالنا شروع کر دی ... جبکہ میں اپنے آنسوؤں پر قابو نہیں پا رہا تھا..

6 ایک تائب کی یادداشت

ایک عمر رسیدہ بزرگ.. ہم ان کے پاس بیٹھا کرتے تھے.. جب ان کی عمر دراز ہوگئی.. ہڈیاں کمزور پڑگئیں اور بینائی جاتی رہی... وہ اپنی جوانی کے واقعات بیان کیا کرتے تھے.. ہم کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا کرتے تھے ... وہ غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والے واقعہ کے متعلق اپنی یادوں کو دہرایا کرتے تھے.. غزوۂ تبوک اسلامی تاریخ کے غزوات میں سے وہ آخری غزوہ تھا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی تھی..

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں روانگی کا اعلان فرمایا... آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ لوگ اہلِ تبوک پر یلغار کرنے کے لیے خوب تیاری کر لیں.. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر کی تیاری کے لیے لوگوں سے اخراجات بھی جمع کیے.. یہاں تک کہ لشکر میں شامل افواج کی تعداد تیس ہزار تک پہنچ گئی.. یہ سب کچھ ایسے موسم میں وقوع پذیر ہو رہا تھا جب درختوں کے سائے لطف پرور تھے.. اور پھل پک کر تیار ہو چکے تھے.. یہ غزوہ شدید گرمی میں.. طویل مسافت پر.. ایک طاقتور اور سخت ضدی دشمن سے لڑا جا رہا تھا، مسلمانوں کی تعداد بھی کافی تھی...

ان کے نام کسی رجسٹر میں درج نہیں کیے گئے تھے..

صحیح بخاری ومسلم میں وارد ایک حدیث کے مطابق سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں کافی مالدار تھا .. میں نے دو سواریاں تیار کر لیں.. میں سمجھ رہا تھا کہ میں دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ جہاد کی قدرت رکھتا ہوں.. عین اسی وقت مَیں ٹھنڈے میٹھے پر لطف سایوں اور تیار پھلوں کو بھی دیکھ رہا تھا.. میں اسی کیفیت سے دو چار تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک صبح روانہ گئے.. میں نے دل ہی دل میں سوچا:

کل بازار جاؤں گا اور ضروری سامان خرید کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عساکر سے جا ملوں گا.. اگلے دن میں بازار گیا.. لیکن بعض اشیا نہ ملیں اور میں واپس لوٹ آیا..

اب میں نے یہ ٹھان لی کہ ان شاء اللہ کل دوبارہ بازار آؤں گا اور مطلوبہ اشیا خرید کر اسلامی لشکر سے جا ملوں گا.. اگلے دن بھی بعض اشیا دستیاب نہ ہوئیں.. میں نے یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ کل ان شاء اللہ آؤں گا اور سامانِ ضرورت حاصل کر کے افواج سے جا ملوں گا.. میں اسی طرح آج کل کرتا گیا اور کئی دن گزر گئے... اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت حاصل کرنے کے شرف سے محروم رہ گیا.. میں بازاروں میں سے گزرتا اور شہر میں گھومتا مگر مجھے کوئی آدمی نظر نہ آتا... سوائے اس شخص کے جس پر منافقت کا داغ تھا... یا ... جو اندھا یا پھر لنگڑا تھا ... جسے اللہ نے معذور لوگوں میں شمار فرما رکھا ہے۔

جی ہاں! سیدنا کعب رضی اللہ عنہ اسلامی لشکر سے پیچھے شہر میں رہ گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تیس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ روانہ ہو چکے تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک پہنچ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانثار صحابہ رضی اللہ عنہم کے چہروں پر نظر دوڑائی.. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعتِ عقبہ میں شرکت کرنے والے ایک نیک و صالح شخص .. کعب رضی اللہ عنہ کو نہ دیکھا تو ارشاد فرمایا:

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے کیا کیا؟

ایک آدمی نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اسے اس کے مال ودولت ،عیش وعشرت اور غرور وتکبر نے پیچھے رکھ لیا ہے..سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا:

تم نے بہت ہی بری بات کہی ہے.. اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! ہمیں ان میں خیر و بھلائی کے سوا کچھ بھی نظر نہیں آتا.. نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے۔

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کی مہم سر کر لی اور مدینہ منورہ کی طرف واپس تشریف لا رہے تھے تو میں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی سے کیسے نجات پاؤں گا؟

اس سلسلے میں مَیں نے اپنے اہلِ خانہ میں سے ہر صاحبِ رائے شخص سے مدد طلب کی .. یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے مسجد نبوی میں تشریف لے گئے اور اس میں دو رکعتیں ادا فرمائیں.. پھر لوگوں کے سامنے جلوہ افروز ہوئے..

اب پیچھے رہ جانے والے لوگ آ گئے ... ہر کوئی اپنا اپنا عذر اور مجبوری پیش کرتا .. ہر کوئی اپنے آپ کو سچا ثابت کر نے کے لیے قسمیں کھا رہا تھا .. پیچھے رہ جانے والوں کی تعداد اسّی سے کچھ زیادہ تھی .. نبی اکرم ﷺ نے ان کے ظاہری عذر و معذرت کو قبول فرما لیا .. ان کے لیے دعاے مغفرت بھی فرمائی اور ان کے اندرونی بھیدوں کو اللہ کے سپرد کر دیا۔

جب سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے اور انھوں نے خدمتِ اقدس میں سلام کیا تو نبی اکرم ﷺ نے ان کی طرف دیکھا.. پھر آپ ﷺ نے غضب و غصے کو ظاہر کرنے والا تبسم فرمایا اور ان سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''ادھر آؤ۔''

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے .. نبی اکرم ﷺ نے پوچھا:

''تمھیں کس چیز نے پیچھے رکھ لیا تھا؟ کیا تم نے سواری کا اونٹ نہیں خرید رکھا تھا؟''

انھوں نے عرض کیا: جی ہاں..! نبی ﷺ نے فرمایا:

''تو پھر تمھیں کس چیز نے پیچھے روکے رکھا؟''

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ کی قسم! اگر میں آپ ﷺ کے سوا دنیا والوں میں سے کسی دوسرے شخص کے پاس بیٹھتا تو آپ ﷺ دیکھتے کہ میں کس طرح بہانہ کر کے اس کے غصے کو ٹھنڈا کر لیتا.. کیونکہ مجھے بات کرنے اور سامنے والے کو قائل کرنے کا ڈھنگ عطا کیا گیا ہے.. لیکن اللہ کی

قسم! میں اس بات کو بھی بخوبی جانتا ہوں کہ اگر میں آج آپ ﷺ کے سامنے جھوٹ بول کر آپ ﷺ کو راضی بھی کر لوں تو عین قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مجھ پر کسی دوسری وجہ سے ناراض کر دے.. اور اگر میں آپ ﷺ سے سچ سچ کہہ دوں گا تو آپ ﷺ اگرچہ مجھ پر ناراض ہوں گے.. تاہم مجھے اللہ سے امید ہے کہ اس طرح وہ مجھے ضرور معاف فرمادے گا..

اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے اللہ کی قسم ہے، میرے پاس کوئی معقول عذر نہیں تھا۔ اللہ کی قسم! جب میں آپ ﷺ سے پیچھے رہ گیا، اس وقت سے زیادہ قوی اور آسودہ حال میں کبھی نہ تھا.. یہ کہہ کر سیدنا کعب رضی اللہ عنہ خاموش ہوگئے۔

نبی اکرم ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف التفات فرمایا اور گویا ہوئے:

''اس نے بالکل سچی بات کہی ہے۔ اب تم یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ اور دیکھو کہ اللہ کب تمھارے بارے میں کوئی فیصلہ فرماتا ہے۔''

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ اٹھے اور قدم گھسیٹتے ہوئے انتہائی غمگین اور کرب وتکلیف کی حالت میں مسجد سے باہر نکل گئے .. انھیں کچھ معلوم نہیں تھا کہ اللہ ان کے بارے میں کیا فیصلہ فرمائے گا ..؟

جب لوگوں نے انھیں اس حالت میں جاتے دیکھا تو بعض لوگ ان کے پیچھے ہی آگئے اور انھیں ملامت کرتے ہوئے کہنے لگے:

اللہ کی قسم! ہمیں نہیں لگتا کہ اس سے قبل آپ نے کبھی کوئی گناہ کیا ہو.. آپ ایک شاعر آدمی ہیں.. آپ پیچھے رہ جانے والے اور عذر معذرت کرنے والے دوسرے لوگوں کی طرح نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں عذر

اور بہانہ بنانے سے بھی عاجز آ گئے تھے؟ کیا آپ کوئی ایسا عذر پیش نہیں کر سکتے تھے جس کے نتیجے میں نبی اکرم ﷺ آپ سے راضی ہو جاتے؟ پھر آپ کے لیے اللہ سے مغفرت طلب کرتے.. اور اللہ آپ کو بخش دیتا..؟

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میری قوم کے لوگ مسلسل مجھے ملامت کے کچوکے لگاتے رہے یہاں تک کہ میں نے ارادہ کر لیا کہ میں اپنی سابقہ گفتگو سے رجوع کر لوں اور کوئی بہانہ بنا کر پیش کر دوں۔''

میں نے پوچھا:

کیا میرے جیسا کام کسی دوسرے کے ساتھ بھی کیا ہے؟

لوگوں نے کہا:

ہاں، دو اور آدمی بھی ہیں، جنھوں نے آپ ہی جیسا جواب دیا ہے.. اور انھیں بھی وہی کہہ کر لوٹا دیا گیا ہے جو آپ سے کہہ کر لوٹایا گیا ہے.. میں نے پوچھا: وہ دونوں کون کون ہیں؟

لوگوں نے بتایا: ان میں سے پہلے آدمی تو سیدنا مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہ اور دوسرے سیدنا ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ وہ دونوں تو ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے غزوۂ بدر میں شرکت کی تھی.. چنانچہ میں نے ان میں اپنے لیے بہترین نمونہ پایا۔ اب میں نے عزمِ مصمم کر لیا کہ اللہ کی قسم! میں اس بارے میں اب نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضری دے کر اپنی سابقہ گفتگو سے رجوع نہیں کروں گا اور نہ ہی اپنے آپ کو جھوٹا ثابت کروں گا..

اب سیدنا کعب رضی اللہ عنہ انتہائی حزن وملال کی حالت میں شکستہ دلی کے

ساتھ اپنے گھر میں بیٹھ گئے۔ کچھ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا کعب رضی اللہ عنہ اور ان کے دوسرے دونوں ساتھیوں کے ساتھ گفت وشنید کرنے سے لوگوں کو منع فرما دیا۔

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ لوگوں نے ہم سے دور دور رہنا شروع کر دیا... وہ ہم سے بدلے بدلے سے رہنے لگے۔ میں بازار میں نکلتا مگر میرے ساتھ کوئی بات کرنے کا روا دار نہ تھا.. لوگ ہم سے بالکل بدل ہی گئے حتیٰ کہ لوگ وہ نہ رہے جنھیں ہم جانتے تھے..شہر کے درو دیوار بھی ہم سے بدلے بدلے سے نظر آتے تھے ...حتیٰ کہ دیواریں بھی وہ نہ رہی جنھیں ہم پہچانتے تھے ..زمین بھی ہم سے روٹھ چکی تھی اور وہ بھی وہ نہ رہی تھی جسے ہم جانتے تھے..!

میرے دونوں ساتھی اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے روتے رہتے، وہ شب و روز روتے ہی رہتے تھے اور گھروں سے اپنے سر باہر نہیں نکالتے تھے.. وہ اس طرح عبادت کرتے تھے جیسے وہ کسی معبد میں پڑے راہب ہوں ..لیکن میں لوگوں سے ملتا جلتا.. بات چیت کرتا اور ان کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا تھا.. میں گھر سے نکل جاتا، لوگوں کے ساتھ مل کر باجماعت نماز ادا کرتا اور بازاروں میں گھومتا پھرتا تھا ...مگر مجھ سے کوئی شخص بات نہیں کرتا تھا۔ میں مسجد کی طرف آتا، مسجد میں داخل ہو جاتا، رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوتا اور آپ ﷺ کو سلام کہتا... اور دل ہی دل میں سوچتا کہ آپ ﷺ نے میرے سلام کا جواب دینے کے لیے اپنے لب مبارک بھی ہلائے ہیں یا نہیں؟ چنانچہ میں آپ ﷺ کے قریب ہی کہیں نماز پڑھتا اور چوری چوری

نگاہوں سے آپ ﷺ کو دیکھتا.. جب میں نماز پڑھنے لگتا تو آپ ﷺ میری طرف متوجہ ہوتے.. اور جب میں آپ ﷺ کی طرف توجہ کرتا تو آپ میری طرف سے رخِ مبارک ہٹا لیتے..

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ پر اسی حالت میں کئی دن گزر گئے .. ان کا کرب و درد روز افزوں ہوتا گیا.. وہ اپنی قوم کے انتہائی باعزت انسان... بلکہ انتہائی فصیح اللسان اور بلیغ الکلام شاعر تھے.. بڑے بڑے بادشاہ اور امرا و حکّام انھیں جانتے تھے ... ان کے اشعار کی دھوم تو بڑے بڑے لوگوں میں بھی مچی ہوئی تھی ... یہاں تک کہ وہ لوگ ان سے ملاقات کی تمنائیں کیا کرتے تھے.. جبکہ ان کا حال آج یہ تھا کہ اپنے شہر مدینہ منورہ میں.. اپنی ہی قوم کے مابین ہیں .. اور کوئی ان سے بات تک نہیں کرتا ... انھیں دیکھنے تک کا روادار نہیں بن رہا .. یہاں تک کہ جب یہ بیگانگی شدت اختیار کر گئی اور ان کی مشقت وتکلیف نے انھیں تنگ کر دیا تو وہ ایک اور امتحان سے دو چار کر دیے گئے..

ایک دن وہ بازار میں گھوم رہے تھے کہ وہاں شام سے ایک عیسائی آن پہنچا اور اس نے آواز لگائی:

مجھے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ تک کون پہنچا سکتا ہے؟ لوگوں نے سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کی طرف اشارے کرنا شروع کر دیے.. وہ ان کے پاس آیا اور ان کی خدمت میں غسّان کے بادشاہ کا مکتوب پیش کر دیا.. عجیب!! شاہِ غسّان کی طرف سے!! ان کے معاملے کی خبر بلادِ شام تک پہنچ چکی تھی اور غسّانیوں کے بادشاہ نے ان کے معاملے میں خصوصی دلچسپی لی.. یہ بادشاہ کیا چاہتا ہے؟ یہ

دیکھنے کے لیے حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے خط کھولا.. اس میں لکھا تھا:

''حمد و ثنائے باری اور آداب کے بعد! اے کعب! مجھے اطلاع ملی ہے کہ تمھارے ساتھی (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم پر زیادتی کی ہے اور تمھیں اپنے قرب سے دور ہٹا دیا ہے ..آپ ذلت و رسوائی کے لائق نہیں ہیں۔ ہمارے پاس چلے آئیں..ہم آپ کی غمخواری اور دلداری کریں گے۔''

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے جب پورا خط پڑھ لیا تو بے اختیار ان کی زبان سے نکلا: ''اِنَّا لِلّٰه وَاِنَّا اِلَیۡهِ رَاجِعُوۡنَ''

اہلِ کفر مجھ پر نظریں جمائے بیٹھے ہیں.. یہ بھی ایک آزمایش .. امتحان اور سراسر شیطانی حملہ تھا۔ وہ فوراً اٹھے ..اس خط کو تنور میں جھونک دیا اور آگ میں جلا کر اسے خاکستر کر دیا..

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے لمحہ بھر بھی بادشاہ کے اس بہکاوے کی طرف التفات نہ فرمایا۔ جی ہاں! ان کے سامنے بادشاہوں کے درباروں تک پہنچنے کے راستے کھل گئے .. بڑے بڑے عظیم لوگوں کے محلات وا ہوگئے .. وہ انھیں احترام و اکرام دینے اور اپنا مصاحبِ خاص بنانے پر تیار ہوگئے .. جبکہ ان کا اپنا شہر مدینہ منورہ ان سے تُرشرو تھا اور لوگ ان سے چیں بجبیں (تیوری چڑھائے ہوئے) تھے۔ وہ لوگوں کو سلام کہتے تو کوئی ان کے سلام کا جواب تک نہ دیتا۔ وہ کسی سے کوئی بات پوچھتے تو کسی سے جواب نہ پاتے۔ اس سب کچھ کے باوجود بھی وہ کفار کی طرف قطعاً متوجہ نہ ہوئے..شیطانِ لعین ان کے پائے استقامت میں لرزش پیدا کرنے میں کامیاب ہوسکا اور نہ انھیں خواہشاتِ نفس کی غلامی پر لگا سکا.. بلکہ انھوں نے غسّانی بادشاہ کے مکتوب کو

آگ میں جھونکا اور جلا کر راکھ کر دیا..

شب و روز کی آمدورفت کا سلسلہ جاری تھا، دنوں پر دن گزرتے چلے جا رہے تھے۔ پورا ایک مہینا گزر گیا اور سیدنا کعب رضی اللہ عنہ اسی حالتِ کرب وبلا میں مبتلا تھے .. ان کے خلاف بائیکاٹ کا حصار شدید سے شدید تر ہوتا جا رہا تھا.. تنگی کا بوجھ روز بروز بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کوئی قدم اٹھا رہے تھے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی وحی کوئی فیصلہ فرما رہی تھی۔ جب اسی حالت میں چالیس دن مکمل ہو گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک قاصد سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان کا دروازہ کھٹکھٹایا..

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ باہر نکلے.. دل میں یہ امید تھی کہ شاید مشکلات آسان ہونے کا وقت اور تنگی میں کشایش آنے والی ہے.. قاصدِ رسول نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ پیغام دیا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کو حکم ہے کہ اپنی بیوی سے علاحدگی اختیار کر لیں.. انھوں نے استفسار کیا:

”میں اسے طلاق دے دوں یا کیا کروں؟“

پیامبر نے جواب دیا:

”نہیں؛ طلاق نہ دو، البتہ اسے علاحدہ کردو اور اس کے قریب نہ جاؤ۔“

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ کے پاس گئے اور اسے کہا.. تم اپنے والدین کے گھر چلی جاؤ اور اس وقت تک وہیں رہنا جب تک اللہ تعالیٰ میرے بارے میں کوئی فیصلہ نہ صادر فرما دیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی پیغام سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کے دوسرے دونوں ساتھیوں کو ارسال فرما دیا تو ان میں سے

سیدنا ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہ کی بیوی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہلال بن اُمیہ رضی اللہ عنہ بہت عمر رسیدہ اور کمزور ہیں، کیا مجھے اتنی اجازت مرحمت فرماتے ہیں کہ میں ان کی خاطر خدمت کر دیا کروں؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''ہاں، لیکن وہ تمھارے قریب نہ آنے پائے۔''

اس نے عرض کیا:

اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اس میں کسی قسم کی کوئی طلب وحرکت نہیں، وہ انتہائی قلق و پریشانی میں مبتلا ہیں اور جب سے یہ معاملہ ہوا ہے وہ شب روز روتے ہی رہتے ہیں..

یہ دن سیدنا کعب رضی اللہ عنہ پر بڑے بھاری گزر رہے تھے، ان پر جفا سخت ہوگئی تھی.. حتیٰ کہ انھوں نے اپنے ایمان کوٹٹولنا شروع کر دیا.. وہ مسلمانوں سے بات چیت کرتے مگر ان کی کسی بات کا کوئی جواب نہ دیتا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کہتے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سلام کا بھی جواب نہ دیتے.. وہ سوچنے لگے کہ جائیں تو جائیں کہاں؟ مشورہ کریں تو کس سے..؟

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

جب یہ حالتِ کرب و بلا طول پکڑ گئی تو بالآخر میں سیدنا ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کے پاس گیا.. وہ میرے چچا زاد بھائی اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھے پیارے تھے.. وہ اپنے باغ میں تھے اور اندر سے باغ کی چار دیواری کا دروازہ بند کیے ہوئے تھے۔ میں نے دیوار پھلانگی اور اندر ان کے پاس جانکلا.. میں نے انھیں سلام کہا.. مگر اللہ کی قسم! انھوں نے بھی میرے سلام کا جواب تک نہ دیا..

میں نے ان سے کہا:

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ! میں تمھیں اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں..!

کیا تم یہ نہیں جانتے کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں..؟ مگر وہ خاموش رہے۔ میں نے دوبارہ اپنی بات کو دہرایا.. اے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ! کیا تم یہ مانتے ہو کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں..؟ مگر وہ چپ سادھے رہے.. پھر میں نے تیسری مرتبہ بھی یہی بات کہی: اے ابو قتادہ رضی اللہ عنہ! میں تمھیں اللہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں..کیا تم نہیں جانتے کہ میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہوں؟ اب وہ لب کشا تو ہوئے مگر صرف اتنا کہا:

"اَللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ" "اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی زیادہ جانتے ہیں۔"

سیدنا کعب رضی اللہ عنہ نے اپنے چچیرے بھائی اور دنیا جہان میں اپنے سب سے پیارے شخص سے یہ جواب سنا.. وہ نہیں جانتے کہ وہ مومن ہیں یا نہیں؟ یہ سن کر سیدنا کعب رضی اللہ عنہ کو رنج سے اپنے آپ پر قابو نہ رہا اور ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔ اب انھوں نے باغ کی دیوار سے چھلانگ لگائی.. باہر نکل کر سیدھے اپنے گھر پہنچے اور اس خالی گھر کی دیواروں پر نظریں دوڑانے لگے۔ بیوی گھر میں موجود نہ تھی کہ ان کے ساتھ بیٹھ کر غمگساری کرتی اور نہ ہی دوسرا کوئی قریب تھا جو مونس و غمخوار بنتا.. نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لوگوں کو ان سے بول چال بند کر دینے کا حکم دینے پر پچاس دن گزر چکے تھے۔ پچاسویں رات کی پہلی تہائی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کی قبولیتِ توبہ کی بشارت پر مبنی آیات نازل ہو گئیں..ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا:

اے اللہ کے نبی ﷺ! کیا ہم سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کو ان کی قبولیتِ توبہ کی بشارت وخوشخبری نہ دے دیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا:

"اگر تم نے ایسا کیا تو لوگ تم پر ٹوٹ پڑیں گے اور تمھیں ساری رات سونے نہیں دیں گے۔"

جب نبی اکرم ﷺ نے نمازِ فجر ادا فرمائی تو لوگوں کو ان تینوں افراد کی توبہ قبول ہونے کی بشارت سنائی.. لوگ انھیں خوش خبری اور مبارک دینے کے لیے ان کے پاس جانا شروع ہوگئے۔ سیدنا کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں نے اپنے گھر کی چھت پر نمازِ فجر ادا کی اور نماز کو ادا کرنے سے فارغ ہوکر اسی تنگ حالی میں بیٹھا تھا، جس کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں خود اپنے آپ سے تنگ آچکا تھا اور یہ دنیا اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ ہو چکی تھی..

میرے نزدیک اب اس سے زیادہ المناک چیز دوسری کوئی نہ رہ گئی تھی کہ میں مر جاؤں گا تو میری نمازِ جنازہ بھی رسول اللہ ﷺ نہیں پڑھائیں گے یا آپ ﷺ فوت ہوگئے تو لوگوں میں میری یہ حالت ہوگی کہ نہ تو کوئی مجھ سے بات کرے گا اور نہ کوئی میری نمازِ جنازہ پڑھے گا.. میں اسی ادھیڑ بن میں مبتلائے کرب تھا کہ کسی نے جبلِ سلع کی چوٹی پر کھڑے ہو کر چلّاتے ہوئے بلند آواز سے کہا:

اے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ! تمھیں بشارت ہو.. یہ سنتے ہی میں سجدہ ریز ہوگیا اور مجھے پتا چل گیا کہ اللہ کی طرف سے کشایش آگئی ہے.. ایک آدمی گھوڑے پر بیٹھ کر بھاگم بھاگ میری طرف آرہا تھا.. دوسرے نے پہاڑ کی

چوٹی سے ہی زوردار آواز نکالی.. لیکن آواز گھوڑے سے زیادہ تیز تھی.. جب وہ شخص چل کر میرے پاس آن پہنچا.. جس کی آواز میں نے پہاڑ سے آتی سنی تھی.. جس میں اس نے مجھے قبولیتِ توبہ کی بشارت وخوش خبری دی تھی تو میں نے اپنے دونوں کپڑے (تہبند وقمیص) اتار کر اسے پہنا دیے کہ اس نے مجھے قبولیتِ توبہ کی بشارت سب سے پہلے سنائی تھی..

اللہ کی قسم! میرے پاس اس وقت ان دو کپڑوں کے سوا کچھ نہیں تھا حتیٰ کہ میں نے خود اپنے لیے دو کپڑے ادھار لے کر پہنے..اب میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضری کے لیے روانہ ہوا تو راستے میں مجھے لوگ فوج در فوج ملے.. وہ مجھے قبولیتِ توبہ پر مبارکباد دے رہے تھے اور کہہ رہے تھے:

آپ کو اللہ کی طرف سے قبولیتِ توبہ مبارک ہو.. راستہ بھر یہ سلسلہ جاری رہا حتی کہ میں مسجد میں داخل ہوگیا.. رسول اللہ ﷺ کا چہرۂ مبارک خوب چمک رہا تھا.. آپ ﷺ جب خوش ہوتے تو آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک خوب منور ہو جایا کرتا تھا حتی کہ یوں لگتا جیسے چاند کا ٹکڑا ہو ..

آپ ﷺ نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''تمھیں آج کا دن مبارک ہو ..تمھاری ماں کے تمھیں جنم دینے سے لے کر آج تک تم پر ایسا دن نہیں آیا۔''

میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کیا یہ بشارت صرف آپ ہی کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے؟ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔''

پھر آپ ﷺ نے ہماری قبولیتِ توبہ سے متعلقہ آیات کی تلاوت

فرمائی.. جب میں آپ ﷺ کے سامنے بیٹھ گیا تو میں نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ﷺ! میری توبہ کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ میں اپنا سارے کا سارا مال اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خدمت میں صدقہ کر دوں۔ یہ سن کر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''کر دینا...مگر کچھ مال اپنے پاس ہی رہنے دو، تمھارے لیے یہی بہتر ہے۔''

میں نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ نے مجھے میرے صدق وسچائی کی وجہ سے نجات بخشی ہے۔ لہٰذا میں اپنی توبہ کا ایک حصہ یہ بھی شمار کرتا ہوں اور عہد کرتا ہوں کہ میں جب تک زندہ رہا کبھی صدق وسچائی کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دوں گا..

جی ہاں! اللہ تعالیٰ نے سیدنا کعب رضی اللہ عنہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کی توبہ کو شرفِ قبولیت سے نوازا اور اس کے بارے میں قرآنِ کریم کی یہ آیات نازل فرمائیں جو رہتی دنیا تک تلاوت کی جاتی رہیں گی چنانچہ سورۃ التوبہ میں ارشادِ الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ﴾ [التوبة: ١١٨، ١١٩]

’’اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے حال پر توجہ فرمائی اور مہاجرین و انصار کے حال پر بھی جنھوں نے ایسی تنگی کے وقت پیغمبر کا ساتھ دیا، اس کے بعد کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا۔ پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی۔ بلاشبہہ اللہ تعالیٰ ان سب پر بہت ہی شفیق و مہربان ہے۔ اور تین شخصوں کے حال پر بھی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پر تنگ ہونے لگی اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آ گئے اور انھوں نے سمجھ لیا کہ اللہ سے کہیں پناہ نہیں مل سکتی، بجز اس کے کہ اسی کی طرف رجوع کیا جائے پھر ان کے حال پر توجہ فرمائی تاکہ وہ آیندہ بھی توبہ کر سکیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا بڑا رحم والا ہے۔‘‘

(صحیح البخاري مع الفتح: ٨/ ١١٣، حدیث: ٤٤١٨، کتاب المغازي)

7 مچھلی کے پیٹ میں

سبھی لوگ مشکل کے وقت اللہ ہی کو یاد کرتے ہیں، لیکن ان میں سے بعض تو اسے یاد کرتے ہیں، اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں ... اور جیسے ہی سختی دور ہو جاتی ہے تو اسے بھول جاتے اور اس کی معصیت و نافرمانی کرنے لگتے ہیں.. اور بعض ایسے بھی ہیں جو نیکی اور توبہ پر قائم رہتے ہیں۔
حضرت یونس علیہ السلام نے قوم کو ایمان لانے کی دعوت دی مگر انھوں نے اعراض اور روگردانی کی ..اور غرور و تکبر کا مظاہرہ کیا.. وہ ان سے ناراض ہوگئے اور اس بستی سے نکل کر بحری جہاز میں سوار ہوگئے تاکہ کسی دوسری جگہ چلے جائیں..

جب بحری جہاز بھاری ہو گیا اور وہ لوگ اس بات سے ڈر گئے کہ کہیں سبھی لوگ غرق نہ ہو جائیں..تو انھوں نے فیصلہ کیا کہ جہاز کا بوجھ کم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کم از کم ایک شخص کو سمندر میں پھینک دیا جائے۔ اس آدمی کا انتخاب کرنے کے لیے انھوں نے بار بار قرعہ اندازی کی مگر قرعۂ فال ہر مرتبہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام ہی نکلتا.. بالآخر انھوں نے انھیں سمندر میں پھینک دیا .. دیو قامت مچھلی (WHALE) آئی اور اس نے حضرت یونس علیہ السلام کو سالم و مکمل حالت ہی میں نگل لیا اور سمندر کی اتھاہ

گہرائیوں میں اتر گئی۔

یہ سب کچھ انتہائی تیز رفتاری سے وقوع پذیر ہو گیا۔ اب حضرت یونس علیہ السلام اندھیروں میں گم تھے۔ انھوں نے کان لگا کر اپنے اردگرد سے کچھ سننے کی کوشش کی تو کیا سنتے ہیں کہ سمندر کی تہہ میں پڑی کنکر یاں اللہ کی تسبیح بیان کر رہی ہیں..فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ [الأنبياء: ٨٧]

''بالآخر وہ اندھیروں کے اندر سے پکار اٹھے کہ الٰہی! تیرے سوا کوئی معبود (برحق) نہیں، تو پاک ہے؛ بیشک میں ظالموں میں سے ہو گیا۔''

ان کے ان کلمات نے آسمان کے دروازے پر دستک دی، اسے کھٹکھٹایا تو انھیں اللہ کی طرف سے نجات مل گئی.. یہ تو اللہ کے ایک نبی حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ ہے۔

دورِ حاضر کا ایک عبرت ناک واقعہ:

جبکہ دورِ حاضر کا ایک یونس اپنا واقعہ خود بیان کرتے ہوئے کہتا ہے:

میں نوجوان تھا اور یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ زندگی بے تحاشا مال و دولت، نرم و گرم بستروں اور شاندار گاڑیوں ہی کا نام ہے۔ جمعہ کا ایک دن تھا.. میں اپنے ہم مشرب ساتھیوں کے ہمراہ ساحلِ سمندر پر بیٹھا تھا... حسبِ سابق وہ سب ساتھی غافل دلوں والے ہی تھے... میں نے مؤذّن کی آواز میں ''حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ'' (نماز کی طرف آؤ)

"حَیَّ عَلَیٰ الْفَلَاحِ" (فلاح و کامرانی کی طرف آجاؤ) کے کلمات سنے۔

میں یہ بات قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں عمر بھر اذان سنا کرتا تھا .. لیکن کسی ایک دن بھی میں فلاح و کامرانی کا معنی و مفہوم نہیں سمجھ سکا۔ شیطان نے میرے دل پر مہر لگا رکھی تھی.. اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ اذان کے کلمات میرے لیے ایسے ہی تھے جیسے وہ کسی ایسی زبان کے الفاظ ہوں، جسے میں نہیں سمجھتا .. ہمارے اردگرد لوگ اپنے قالین اور جانماز بچھانے لگتے اور نماز کے لیے جمع ہو جاتے .. جبکہ عین اس وقت ہم ان سے قطعی بیگانہ تیراکی کا سامان اور ہوا کی نالیاں درست کر رہے ہوتے تھے.. تاکہ پانی کی گہرائی میں اتر سکیں۔

ایک دن ہم نے تیراکی کا لباس پہن لیا اور سمندر میں داخل ہو گئے.. آہستہ آہستہ ساحلِ سمندر سے ہم کافی دور نکل گئے، یہاں تک کہ ہم گہرے سمندر کے درمیان میں جا پہنچے.. ہر چیز اپنی اپنی جگہ درست تھی اور ہماری یہ سمندری سیر و تفریح بڑی خوبصورتی سے جاری تھی..

ہم اسی لطف اندوزی کی انتہا پر تھے کہ اچانک ربڑ کا وہ ٹکڑا پھٹ گیا جسے ہر تیراک نے اپنے دانتوں اور ہونٹوں میں دبایا ہوا ہوتا ہے، تاکہ وہ پانی کو منہ میں داخل ہونے سے روکے رکھے اور نالیوں کے ذریعے تیراک کو تازہ ہوا مہیا کرتا رہے .. وہ ٹکڑا اس وقت پھٹا جب ہوا میرے پھیپھڑوں میں جا رہی تھی .. اچانک سمندر کے نمکین پانی نے میری سانس لینے والی نالی کو بند کر دیا اور میں مرنا شروع ہو گیا..

میرے پھیپھڑوں نے مدد کے لیے دھائی دینا شروع کر دی.. انھیں ہوا

چاہیے تھی، وہ کیسی بھی ہوا کیوں نہ ہو.. میں قلق واضطراب میں مبتلا ہو گیا، سمندر میں اندھیرا تھا اور میرے ساتھی مجھ سے بہت دور تھے.. مجھے اس موقع کی خطرناکی کا احساس ہونا شروع ہو گیا.. میں مرجاؤں گا.. میں نے سسکیاں لینا ہچکیاں بھرنا .. چلاّنا.. پھڑ پھڑانا شروع کر دیا اور نمکین و کھارے پانی سے مجھے اُچھو لگنے لگے..اب میری آنکھوں کے سامنے میری زندگی کا ٹیپ چلنا شروع ہو گیا، پہلی ہی ہچکی کے ساتھ مجھے پتا چل گیا کہ میں کتنا ضعیف اور کمزور ہوں..!

نمکین پانی کے چند قطروں کو اللہ تعالیٰ نے مجھ پر مسلط کر دیا تھا..تا کہ مجھے دکھلا دے کہ وہ کتنا قوت و جبروت والا قادر و جبار ہے۔ اب میں یقین کر بیٹھا تھا کہ اللہ کے سوا میرا کوئی ملجا و ماویٰ نہیں.. میں نے بڑی تیزی سے حرکت کرنا اور ہاتھ پاؤں مارنا شروع کیا تا کہ پانی سے باہر نکل سکوں..لیکن میں تو بہت گہرائی میں تھا۔ اب میرے سامنے مشکل یہ نہیں تھی کہ میں مر جاؤں گا.. بلکہ اصل مشکل یہ تھی کہ میں اپنے رب کے سامنے کیا منہ لے کر جاؤں گا؟ جب اس نے مجھ سے میرے اعمال اور کردار کے بارے میں پوچھا تو میں کیا جواب دوں گا؟

سب سے پہلے جس چیز کا مجھ سے حساب مانگا جائے گا وہ نماز ہے اور اسے میں نے ضائع کیا ہوا ہے.. میں نے شہادتِ توحید و رسالت کو یاد کیا اور چاہا کہ میرا خاتمہ اس کلمۂ شہادت پر ہو جائے.. میں نے جب ''اَشْھَدُ'' کہا تو میرے گلے میں کچھ پھنس گیا..کوئی پوشیدہ طاقت اور مخفی ہاتھ تھا جو میری گردن اور گلا دبا رہا تھا تا کہ مجھے یہ کلمہ کہنے سے باز رکھے۔ میں نے پوری ہمت سے کوشش کی..لیکن میری زبان نے ''اَشْھَ.. اَشْھَ..'' سے آگے میرا ساتھ نہ دیا۔

میرے دل نے چلانا شروع کر دیا:

اے میرے رب! مجھے واپس لوٹا دے۔ صرف ایک گھڑی بھر کے لیے، ایک منٹ کے لیے، ایک سیکنڈ کے لیے ہی سہی ..لیکن کہاں..؟

اس تمنا کی تکمیل تو بہت ہی دور کی بات تھی، مجھ سے ہر چیز کا شعور و احساس مفقود اور ختم ہونا شروع ہوگیا.. میں عجیب اندھیروں میں پھنس چکا تھا..صرف یہاں تک کا واقعہ ہی مجھے یاد ہے۔

لیکن میرے رب کی رحمتوں کا دائرہ بہت ہی وسیع ہے.. اچانک میرے سینے کی طرف ہوا نے پھر سے پہنچنا شروع کر دیا.. اندھیرے چھٹ گئے.. میری آنکھیں کھل گئیں۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میرا ایک ساتھی ہوا کی نالی میرے منہ پر لگا رہا ہے اور مجھے ہوش میں لانے کی کوشش کر رہا ہے.. ہم ابھی سمندر کی گہرائیوں میں ہی تھے.. میں نے اپنے ساتھی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کو کھیلتے دیکھا تو اس سے میں سمجھ گیا کہ میں خیریت سے ہوں۔ اب میرا دل اور زبان.. اور میرے جسم کا رواں رواں پکار اٹھا:

«أَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ.. وَأَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ.. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ کا شکر ہے اور ہر قسم کی تمام تعریفیں صرف اسی کے لیے ہیں۔''

میں پانی سے باہر نکل آیا.. اب میری کایا ہی پلٹ گئی.. میں ایک دوسرا ہی شخص بن کر نکلا، زندگی کے بارے میں میرا نظریہ بدل گیا۔ اب ہر شب و

روز مجھے اللہ کے قریب سے قریب تر کرنے لگے.. مجھے اس دنیا میں اپنے وجود کا بھید اور مقصدِ تخلیق کا پتا چل گیا اور مجھے اللہ کا ارشاد یاد آ گیا:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ﴾ [الذاريات: ٥٦]

”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو پیدا نہیں کیا مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں۔“

صحیح بات ہے کہ اس نے ہمیں عبث و بے کار نہیں بنایا۔ دنوں پر دن گزرتے چلے گئے.. میں اس حادثے کو یاد کرتا رہا..

اب ایک مرتبہ پھر میں سمندر پر گیا، تیراکی وغوطہ خوری کا لباس پہنا اور اکیلے ہی میں پانی میں کود پڑا اور سمندر کی انھی تہوں تک جا پہنچا .. وہاں میں اپنے رب کے حضور اس انداز سے سجدہ ریز ہوا کہ ساری عمر میں کبھی میں نے اس طرح سجدہ نہیں کیا تھا۔ اُس جگہ سجدہ کیا جہاں میرے گمانِ غالب کے مطابق کبھی کسی انسان نے اللہ کے حضور سجدہ نہ کیا ہوگا..شاید قیامت کے دن وہ مقام میرے حق میں گواہ بن جائے اور سمندر کی تہوں پر میرے سجدہ ریز ہونے کے عوض میں اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرما دے اور مجھے اپنی جنت میں داخل کر دے۔ اَللّٰهُمَّ آمِيْنَ

8 بے شمار گناہ .. اور بے پایاں بخشش

ہمارا رب تو ہم پر ہماری ماؤں اور ہمارے باپوں سے بھی زیادہ شفقت و رحم کرنے والا ہے.. اس کی رحمتوں کا اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے ہر کسی کے لیے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہوا ہے.. کوئی چاہے کتنا ہی کفر و شرک کیوں نہ کر چکا ہو.. کتنی ہی سرکشی و تکبر میں مبتلا رہا ہو .. رحمت کے دریا اس کے لیے بھی ٹھاٹھیں مار رہے ہیں اور توبہ کے دروازے اس کے لیے بھی کھلے ہیں.. اُس ضعیف العمر بوڑھے کو ہی دیکھ لیں جس کی کمر کبر سنی کی وجہ سے جھک گئی.. ہڈیاں تک کمزور ہو چکی تھیں.. وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا جبکہ آپ ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین تشریف فرما تھے اور وہ اپنے قدموں کو زمین پر گھسیٹتے ہوئے آ رہا تھا۔

اس کے اَبرو اس کی آنکھوں پر گر چکے تھے.. وہ اپنی لاٹھی پر ٹیک لگائے پیدل چلتا ہوا حاضرِ خدمت ہوا.. اس نے نبی اکرم ﷺ کے سامنے کھڑے ہو کر بڑی المناک اور درد بھری آواز سے عرض کی: اے اللہ کے رسول ﷺ! اس شخص کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں، جس نے ہر قسم کے گناہ کیے ہوں اور ان میں سے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑا ہو .. اس نے کسی صغیرہ تو کیا کسی کبیرہ سے بھی کبھی ہاتھ نہ کھینچا .. اور اگر اس کے گناہوں کو روئے زمین کے تمام لوگوں پر تقسیم کر دیا

جائے تو وہ سبھی کو ڈبو دیں۔ کیا اُس شخص کے لیے بھی توبہ کا کوئی موقع ہے؟

نبی اکرم ﷺ نے اس کی طرف نگاہیں اٹھائیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بوڑھا شخص ہے جس کی کمر جھک چکی ہے، سانسیں اکھڑ چکی ہیں، ماہ و سال کی گردش نے اسے توڑ کر رکھ دیا ہے.. اور شہوت رانیوں کے بعد آلام و مصائب نے اسے ہلاک کر رکھا ہے.. نبی اکرم ﷺ نے اس سے پوچھا: ''کیا تم مسلمان ہو چکے ہو؟'' اس نے عرض کیا:

''أَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ''

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔''

اس پر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''نیکی و بھلائی کے کام کیے جاؤ اور برائیاں چھوڑ دو، اللہ تمھارے پچھلے تمام گناہوں کو تمھارے لیے نیکی و بھلائی بنا دے گا۔''

اس عمر رسیدہ شخص نے عرض کیا:

''کیا میری دغا بازیاں اور غلط کاریاں بھی بخش دے گا؟''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ہاں۔

اس بوڑھے شخص نے زور زور سے تکبیریں بلند کرنا شروع کر دیں:

اللہ اکبر.. اللہ اکبر.. اللہ اکبر.. وہ اسی طرح بلند آواز سے تکبیریں کہتا رہا حتیٰ کہ لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

(المعجم الكبير: ٧/ ٣١٤، صحيح الترغيب والترهيب: ٣/ ١٢٦، امام منذری نے اس روایت کی سند کو قوی اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ صحیح بخاری کی شرط پر پوری اترنے والی سند ہے)

9
کوئی ماں اپنے بیٹے کو آگ میں پھینک سکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ان کے ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق و رحیم ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ معرکۂ ہوازن سے فارغ ہوئے تو آپ ﷺ کی خدمت میں کفار بنی ہوازن کے بچے اور عورتیں پیش کی گئیں.. وہ سب ایک جگہ جمع کر دیے گئے.. نبی اکرم ﷺ ان کی طرف متوجہ ہوئے تو ان قیدی عورتوں میں سے ایک عورت کو دیکھا جس کا بچہ گم ہو چکا تھا.. وہ اپنے قدم گھسیٹتی ہوئی چل رہی تھی.. وہ اپنے دل کے ٹکڑے، جگر گوشے، اپنے بچے کی تلاش میں تھی.. وہ انتہائی پریشان حال تھی.. اس دکھ کی شدت سے وہ اپنی عقل کھو چکی اور اوسان خطا کر بیٹھی تھی..

وہ شیر خوار بچوں والی عورتوں کے پاس سے گزرتی اور بچوں کے چہروں پر نگاہیں گاڑے اپنے بچے کو ڈھونڈ رہی تھی.. چھاتی میں دودھ رُکنے کی وجہ سے اس کی چھاتی پھٹنے کو آئی ہوئی تھی.. وہ یہ تمنا لیے ہوئے تھی کہ کاش! اسے اس کا بچہ مل جائے تو وہ اسے سینے سے لگا لے، اسے خوب چومے اور پیار کرے.. اگرچہ اس کے لیے اسے اپنی زندگی ہی داؤ پر کیوں نہ لگانی پڑے۔ وہ اسی

وارفتگی کی حالت میں تھی کہ اسے اس کا بچہ مل گیا.. اس کا اسے دیکھنا ہی تھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسو سوکھ گئے .. اس کے ہوش ٹھکانے پر آگئے.. وہ اس پر لپک پڑی .. اسے اپنے سینے سے چمٹا لیا۔ اس کی بھوک پیاس، اس کی آہ و پکار اور تھکاوٹ پر اسے بہت ہی ترس آیا اور اسے چومتے چومتے اسے سینے سے بھینچ لیا.. اور اسے دودھ پلانے کے لیے اپنا پستان اس کے منہ میں ڈال دیا..

شفیقِ کائنات، رحیمِ دوجہاں نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے اس عورت کو دیکھا، جسے تھکاوٹ نے نڈھال کر رکھا تھا اور وہ کوئی تھکاوٹ سی تھکاوٹ تھی، وہ اپنے لختِ جگر کو دیکھنے کے لیے تڑپ رہی تھی، اسی فراق میں بچہ بھی پریشان تھا اور ماں بھی بڑی دکھی تھی.. جب نبی اکرم ﷺ نے اس عورت کا تذلل و انکساری دیکھی، اپنے بچے کے گم ہو جانے پر اس کی شکستہ دلی کا مشاہدہ فرمایا تو اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف توجہ مبذول فرمائی اور یوں گویا ہوئے:

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ عورت اپنے اس بچے کو آگ میں پھینک سکتی ہے؟ یعنی اگر ہم آگ کا آلاؤ جلائیں اور اس عورت کو حکم دیں کہ وہ اپنے بچے کو اس آگ کے شعلوں میں پھینک دے تو کیا خیال ہے .. کیا وہ اس پر راضی ہو جائے گی؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سخت تعجب ہوا اور انھوں نے کہا:

وہ اپنے بچے کو آگ میں کیسے پھینک دے گی، جبکہ وہ اس کا جگر گوشہ ہے، دل کا ٹکڑا اور اس کا خون ہے.. وہ اسے کیسے پھینکے گی جبکہ وہ تو اسے منہ سے ہی نہیں ہٹا رہی، چومے چلی جارہی ہے اور اپنے آنسوؤں سے اس کا منہ دھوئے دے رہی ہے۔ وہ اسے کیسے آگ میں پھینکنے پر رضامند ہوگی، جبکہ وہ

اس کی شفیق ماں اور انتہائی رحم دل جنم دینے والی ہے؟

صحابہ رضی اللہ عنہم نے صاف کہہ دیا :

نہیں.. اللہ کی قسم! اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! وہ اسے آگ میں پھینکنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہوگی۔ تب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((وَاللّٰهِ ... لَلّٰهُ ... اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا))

''اللہ کی قسم! اللہ تو اپنے بندوں کے لیے.. اس ماں کے اپنے بچے کے لیے شفیق و رحم دل ہونے سے بھی زیادہ مہربان ہے۔''

(صحيح البخاري، رقم الحديث: ٥٣٥٦، صحيح مسلم، رقم الحديث: ٢٧٥٤)

10 چند لمحات ہسپتال میں

① میں ایک مریض کی عیادت اور مزاج پرسی کے لیے ہسپتال گیا.. جب میں اس کے پاس پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ چالیس سالہ شخص ہے ... اس کا چہرہ تمام لوگوں سے زیادہ ترو تازہ ہے، اس کا قد کاٹھ بھی انتہائی خوبصورت ہے .. لیکن اب اس کا سارا بدن شل ہو چکا ہے .. اس کا کوئی عضو بھی حرکت نہیں کرتا سوائے سر اور گردن کی معمولی حرکت کے.. اگر کوئی شخص کلہاڑی پکڑ کر اس کے جسم کو پاؤں سے لے کر سینے تک بوٹی بوٹی کاٹ دے تب بھی اسے کچھ تکلیف نہ ہو..

اسے اس بات کا بھی پتا نہیں چلتا کہ اس کا بول و براز کب نکلا ہے.. سوائے اس کے کہ بدبو اس چیز کا پتا دیتی ہے۔ اسے بچوں کی طرح حفاظتی پیمپر پہنایا جاتا ہے جسے ہسپتال کا متعلقہ عملہ روزانہ تبدیل کرتا ہے۔

میں اس کے کمرے میں داخل ہوا تو میں نے سنا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج رہی ہے.. اس نے زوردار آواز سے چلاتے ہوئے کہا:

مولانا صاحب! ٹیلیفون کی بل بند ہونے سے پہلے پہلے ریسیور اٹھا لیں..

میں نے ریسیور اٹھایا اور اس کے کان کے قریب کر دیا اور پاس ہی تکیہ رکھ دیا

جو اسے تھامے رہے..

میں نے تھوڑی دیر انتظار کیا حتیٰ کہ جب اس نے کال سن لی تو اس نے کہا:

شیخ صاحب ! ریسیور کو اٹھا کر واپس فون پر رکھ دیں .. میں نے ریسیور کو اس کی جگہ پر لوٹایا اور پھر اس سے سوال کیا: آپ کی یہ حالت کب سے ہے؟ اس نے جواب دیا: بیس (۲۰) سال سے.. اور تب سے میں یوں بے دست وپا صاحبِ فراش پڑا ہوں۔

② مجھے میرے بعض فاضل ساتھیوں نے بتایا کہ وہ ہسپتال کے کسی کمرے کے پاس سے گزر رہا تھا تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک مریض بڑی زوردار آواز سے چیخ و پکار کر رہا ہے .. اس کی چیخیں اتنی دلدوز اور جگر پاش تھیں کہ قلب و جگر کو پارہ پارہ کر رہی ہیں.. میرے فاضل دوست کہتے ہیں کہ میں جب اس کے کمرے میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس کا سارا جسم مکمل طور پر شل ہو چکا ہے، وہ کروٹ لینے کی کوشش کر رہا ہے، مگر وہ اپنے اس ارادے میں کامیاب نہیں ہو رہا..

میں نے ڈیوٹی پر موجود نرس سے اس کے چیخنے چلانے کا سبب دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ اس کا سارا جسم مکمل طور پر شل ہو چکا ہے، اس کی آنتیں بھی تلف ہوچکی ہیں.. دوپہر اور شام کے ہر کھانے کے بعد اسے بدہضمی اور پیٹ کی تکلیف ہو جاتی ہے..

میں نے اس سے کہا:

اسے ثقیل بھاری غذا نہ دیا کرو.. اسے گوشت اور چاول کھانے سے بچا کر رکھو۔ اس نے کہا:

آپ جانتے ہیں کہ ہم اسے کیا کھلاتے ہیں؟ اللہ کی قسم! ہم ناک میں نالی لگا کر اس کے ذریعے سے اس کے پیٹ میں دودھ پہنچانے کے سوا اسے کچھ بھی نہیں کھلاتے.. یہ ساری تکالیف اسے صرف دودھ ہضم کرنے کے لیے ہوتی ہیں۔

③ میرے ایک دوسرے دوست نے مجھے بتایا کہ میں ایک فالج زدہ مریض کے پاس سے گزرا جس کے جسم کا کوئی ایک بھی حصہ حرکت نہیں کرتا تھا۔ ان کا کہنا ہے:

میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ مریض کوریڈور سے گزرنے والے لوگوں پر چلا رہا تھا.. میں اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے سامنے لکڑی کی رحل پڑی ہے اور اس پر قرآنِ کریم کھلا پڑا ہے.. یہ مریض کئی گھنٹوں سے دو ہی صفحات کی تلاوت کیے جا رہا ہے.. جب شروع سے لے کر آخر تک پہنچ جاتا ہے تو پھر نئے سرے سے آغاز کر دیتا ہے.. اس کا ان دو ہی صفحات کو بار بار دہرانا محض اس مجبوری کی وجہ سے ہے کہ وہ قرآنِ کریم کے اوراق کو پلٹنے کی استطاعت اور ہاتھوں کو حرکت دینے کی طاقت و اختیار سے عاری ہو چکا ہے .. اس کے پاس کوئی ایسا شخص بھی موجود نہیں جو قرآنِ کریم کے اوراق پلٹنے میں اس کی مدد کرے..

جب میں اس کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا تو اس نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا:

براہِ مہربانی صفحہ آگے پلٹ دیں.. میں نے مصحف شریف کا اگلا صفحہ نکال دیا، اس سے اس کا چہرہ تمتما اٹھا.. پھر اس نے اپنی نگاہیں قرآنِ کریم پر

لگا دیں اور تلاوت کرنے لگ گیا.. میں اس کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا .. میرا یہ رونا تلاوت میں اس کی اتنی گہری رغبت و خواہش اور اپنی بے پروائی وغفلت پر تھا۔

④ مجھے میرے ایک تیسرے پہچاننے والے نے ایک واقعہ سنایا کہ اس کا گزر ایک ہسپتال میں کسی ایسے مریض کے پاس سے ہوا جو مکمل طور پر فالج زدہ اور پوری طرح اپاہج تھا، اس کا صرف سر حرکت کرتا تھا.. اس نے جب اسے اس دلگداز حالت میں دیکھا تو اسے اس پر بہت ترس آیا اور اس نے اسے پوچھا:

تمھاری تمنا یا خواہش کیا ہے؟ اس نے سوچا .. وہ کہے گا میری انتہائی تمنا اور سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ میں شفایاب ہو جاؤں .. اٹھوں .. بیٹھوں .. لیٹوں .. کہیں اِدھر اُدھر آجا سکوں.. لیکن اس بیمار و لاچار نے کچھ اور ہی تمنا ظاہر کی..

وہ کہنے لگا:

میری عمر تقریباً چالیس سال ہے اور میرے پانچ بچے ہیں .. میں گذشتہ سات سالوں سے اس بیڈ پر چپکا پڑا ہوں.. اللہ کی قسم! میری تمنا یہ نہیں کہ میں چل سکوں.. نہ یہ آرزو ہے کہ میں اپنے بچوں کو دیکھوں اور نہ ہی یہ خواہش رہی ہے کہ میں دوسرے لوگوں کی طرح معمول کی زندگی جی سکوں..

اس نے کہا:

تعجب ہے.. اگر ان میں سے آپ کو کسی چیز کی خواہش نہیں تو پھر تمھاری تمنا اور خواہش کیا ہے؟

اس نے کہا:

میری انتہائی آرزو صرف یہ ہے کہ مجھے صرف اتنی قدرت و استطاعت حاصل ہو جائے کہ میں اپنی جبینِ نیاز اللہ کے حضور سجدے میں رکھ سکوں اور اسی طرح سجدہ ریز ہوسکوں جیسے دوسرے لوگ ہوتے ہیں۔

⑤ یہ واقعہ مجھے ایک ڈاکٹر نے سنایا ہے کہ وہ ایک مریض کو دیکھنے کے لیے خصوصی نگہداشت کے کمرے (ICU) میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک عمر رسیدہ فاضل شخص سفید بستر پر پڑا ہے، اس کے چہرے پر نورانیت کھیل رہی ہے۔ میرے ساتھی نے بتایا کہ میں اس کی فائل اُلٹ پلٹ کر پڑھنے لگا تو پتا چلا کہ اس کا آپریشن کیا گیا ہے.. اس دوران میں اس کا خون جاری ہوگیا، جس کے نتیجے میں اس کے دماغ کے بعض حصوں میں خون کی گردش رک گئی اور وہ مکمل طور پر بے ہوش و بے سدھ ہو گیا ہے..

طبی آلات کی مدد سے اس کے لیے مصنوعی نظامِ تنفس قائم کیا گیا ہے اور اس کے منہ پر رکھے گئے مصنوعی سانس کے آلے سے اس کے پھیپھڑوں تک ایک منٹ میں نو سانسیں پہنچائی جا رہی ہیں۔ اس کے پاس ہی اس کا ایک بیٹا کھڑا تھا.. اس سے میں نے اس کے والد کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس کے والد کئی سالوں سے ایک مسجد میں مؤذن کی خدمات سرانجام دیتے آرہے تھے۔ میں نے مریض کی طرف دیکھنا شروع کیا، میں نے اس کا ہاتھ ہلایا، اس کی آنکھ ہلائی، اس سے بات کرنے کی کوشش کی ..مگر اسے کسی بھی چیز کا کوئی پتا نہیں چل رہا تھا۔ اس کی حالت انتہائی خطرنک تھی۔ اس کا بیٹا اس کے کان کے قریب ہوکر باتیں کرنے لگا، حالانکہ وہ تو کچھ بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا..

اس لڑکے نے کہنا شروع کیا:

ابا جان! ''امی جان'' بخیر وعافیت ہیں، سب بہن بھائی بھی ٹھیک ٹھاک ہیں، ماموں جان بھی سفر سے بخیریت واپس لوٹ آئے ہیں۔ لڑکا باتیں کرتا گیا اور مریض اپنی اصل حالت پر ہی رہا۔ اس کے جسم میں کوئی حرکت نہیں آئی .. مصنوعی تنفس کے آلات نو سانسیں فی منٹ کے حساب سے اس کے پھیپھڑوں تک ہوا پہنچاتے جا رہے تھے۔

اچانک اس کے بیٹے نے یہ کہنا شروع کیا:

مسجد آپ کے لیے اداس اور آپ کو دیکھنے کی مشتاق ہے .. مسجد میں صرف فلاں شخص ہی اذان کہتا ہے، جو اذان میں غلطیاں کرجاتا ہے .. مسجد میں آپ کی جگہ خالی پڑی ہے۔ اس کے بیٹے نے جب مسجد اور اذان کی بات شروع کی تو شیخِ محترم کا دل دھڑکنے لگا، اس نے سانسیں لینا شروع کر دیا.. عین اسی وقت میں نے مصنوعی تنفس کے آلے کو دیکھا تو اس کا میٹر اس وقت اٹھارہ سانسیں فی منٹ بتا رہا تھا ..لیکن اس لڑکے کو اس بات کی کوئی خبر نہیں۔

پھر لڑکے نے کہنا شروع کیا:

ہمارے چچا زاد بھائی نے شادی کرلی ہے .. ہمارے بھائی نے تعلیم سے فراغت حاصل کرلی ہے۔ شیخ کی سانسیں پھر سے مدہم پڑ گئیں اور آلے نے پھر نو سانسیں فی منٹ دکھانا شروع کر دیا۔ جب میں نے یہ منظر دیکھا تو میں شیخ کی طرف بڑھا اور اس کے سرہانے کھڑے ہو کر اس کا ہاتھ ہلایا، اس نے آنکھیں کھول کر دیکھیں .. انھیں حرکت دی مگر کچھ بھی نہ ہوا .. ہر چیز اپنی اپنی جگہ ساکن تھی، اس نے میرے ہلانے کا کوئی جواب نہ دیا.. مجھے اس پر بہت تعجب

ہوا۔ میں نے اپنا منہ اس کے کان کے قریب کرکے لمبی آواز سے (اذان کے انداز) سے کہا:

"اَللّٰہ اَکْبَر.. حَیَّ عَلَیٰ الصَّلَاۃِ، حَیَّ عَلَیٰ الْفَلَاحِ"

یہ کہتے ہوئے میں مصنوعی تنفس کے آلے کو بھی دیکھ رہا تھا۔ اس نے پھر اٹھارہ سانس فی منٹ دکھلانا شروع کر دیا تھا۔ مریضوں کی یہ خوبیاں اللہ ہی کی طرف سے ہیں.. بلکہ اللہ کی قسم وہ نہیں، مریض تو ہم ہیں۔ وہ کیا مریض ہیں، جن کے دل مساجد کے ساتھ اٹکے ہوئے ہوں..؟ جی ہاں! ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۝ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [النور: ۳۷، ۳۸]

''ایسے لوگ جنھیں تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذکر سے اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے غافل نہیں کرتی، اس دن سے ڈرتے ہیں جس دن بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ پلٹ ہو جائیں گی اس ارادے سے کہ اللہ انھیں ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دے بلکہ اپنے فضل سے اور کچھ زیادہ عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بے شمار روزیاں دیتا ہے۔''

یہ حال تو ان مریضوں اور صاحبِ فراش بیماروں کا ہے۔ اے امراض و بیماریوں سے محفوظ شخص! آپ اپنے گریبان میں جھانک کر اپنا حال بھی دیکھ

لو۔ اے ہر طرح کے دکھ درد اور کرب و الم سے پاک انسان! اے اللہ کی نعمتوں میں پلنے والے! جو اللہ کے غضب وانتقام سے ذرہ برابر بھی نہیں ڈرتے ہو! اللہ نے تمھارے ساتھ کیا برا کیا ہے کہ تم اس کے عوض اس کی معصیت و نافرمانی کر رہے ہو؟ اس نے تمھیں کیا تکلیف پہنچائی ہے؟ کیا اس کی نعمتیں تم پر یکے بعد دیگرے نازل نہیں ہو رہیں؟

اور اس کا تم پر اتنا فضل وکرم ہے کہ جس کا تم اندازہ و شمار ہی نہیں کر سکتے ہو۔ کیا تمھیں اس بات کا کوئی ڈر نہیں کہ کل قیامت کے دن تمھیں جواب دہی کے لیے اللہ کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا؟ اور اللہ تعالیٰ پوچھے گا:

میرے بندے !میں نے تیرے بدن کو صحت وعافیت سے نہیں نوازا تھا؟ میں نے تیرے رزق میں وسعت وفراوانی عطا نہیں فرمائی تھی؟ تیرے کان اور تیری آنکھیں محفوظ نہیں رکھی تھیں؟

تم اس وقت کہو گے: بالکل ایسے ہی تھا۔

تب وہ صاحبِ جبروت وکبریائی رب العالمین پوچھے گا:

تم نے میری نعمتوں کی ناشکری اور میری نافرمانی کیوں کی؟ اور میرے غضب و انتقام کا شکار کیوں بنے؟

تب تمام کائنات کے سامنے تمھارے سبھی عیوب کھل جائیں گے اور تمھارے گناہ ایک ایک کرکے تمھارے سامنے پیش کر دیے جائیں گے۔ غارت ہو جائیں یہ گناہ ..ان کی نحوست کتنی زیادہ اور ان کا خطرہ کتنا سخت ہے..؟

- قومِ نوح علیہ السلام کو گناہوں کے سوا کس چیز نے طوفان میں غرق کیا تھا..؟
- قومِ عاد وثمود کو گناہوں کے سوا کس نے ہلاک کیا تھا..؟

- حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر ان کی بستی کو الٹا کر پھینکا گیا..؟
- حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کو فوراً عذاب میں جکڑ دیا گیا..؟
- ابرہہ پر سخت پتھریلی کنکریوں کی بارش کی گئی..؟
- اور فرعون پر مہلک عذاب نازل کیا گیا..؟

ان سب کا سبب نافرمانیوں اور گناہوں کے سوا کیا تھا..؟

11 ایمان وعزیمت کے پہاڑ

نبی اکرم ﷺ اپنی بعثت ونبوت کے آغاز میں مکہ مکرمہ میں لوگوں کو درپردہ اسلام کی دعوت دیا کرتے تھے اور مسلمان بھی اپنے دین اسلام کو چھپائے پھرتے تھے.. جب مسلمانوں کی تعداد اڑتیس(۳۸) مردوں تک پہنچ گئی تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ سے اپنا آپ ظاہر کر دینے اور دین اسلام کی دعوت کو عام کر دینے پر اصرار کیا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اے ابوبکر! ہم ابھی بہت قلیل تعداد میں ہیں۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسلسل اصرار کرتے رہے حتیٰ کہ نبی اکرم ﷺ مسجد حرام کی طرف نکل کھڑے ہوئے..آپ ﷺ کی معیت میں مسلمان بھی چل نکلے اور مسجد کے اطراف واکناف میں بٹ گئے.. ہرشخص اپنے اپنے خاندان کے لوگوں میں پہنچ گیا۔سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں میں کھڑے ہوکر خطاب کرنے لگے.. وہ دعوت الیٰ اللہ کے میدان میں کام کرنے والے اُس وقت کے پہلے خطیب تھے.. جب مشرکین نے دیکھا کہ یہ شخص ان کے معبودوں کو بُرا بھلا کہہ رہا ہے اور ان کے دین میں عیب ونقص نکال رہا ہے تو وہ سب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمانوں پر جھپٹ پڑے.. اور مسجد

حرام کے اندر ہی انھیں سخت زد وکوب کرنا شروع کر دیا..سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے دین اسلام کا کھلے عام اظہار کرتے چلے گئے یہاں تک کہ مشرکین کے ایک گروہ نے انھیں گھیر لیا اور اتنا مارا کہ وہ زمین پر گر گئے ..

وہ پیرانہ سالی کو پہنچ رہے تھے، ان کی عمر پچاس سال کے قریب ہو گئی تھی.. فاسق وفاجر عتبہ بن ربیعہ ان کے قریب پہنچا ..ان کے پیٹ اور سینے پر چڑھ کر کودنے لگا ..اور انھیں اپنے ڈبل چمڑے کے جوتوں سے مارنا شروع کر دیا .. انھیں وہ ان کے چہرے پر رکھ کر رگڑتا تھا یہاں تک کہ اس نے ان کے چہرے کا گوشت چھید کر رکھ دیا.. ان کا خون اس حدتک بہہ رہا تھا کہ ان کی ناک کو چہرے سے الگ پہچاننا مشکل ہو گیا.. ان پر غشی کا عالم طاری تھا۔ بالآخر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اپنے قبیلہ بنو تیم کے لوگ آگے بڑھے اور انھوں نے حملہ آور مشرکین کو پیچھے ہٹایا۔

لوگوں نے انھیں ایک کپڑے میں لپیٹ کر اٹھا لیا .. انھیں اس بات میں کوئی شک نہیں رہ گیا تھا کہ یہ تو مر چکے ہیں.. تاہم انھوں نے انھیں ان کے گھر پہنچایا۔ ان کے والد اور قوم وقبیلہ کے دوسرے افراد ان کے سرہانے بیٹھ گئے.. وہ انھیں ہلا رہے تھے مگر وہ کوئی جواب نہیں دے رہے تھے.. جب دن کا آخری پہر ہوگیا، شام کے سائے بڑھنے لگے تو انھیں کچھ افاقہ ہوا۔ انھوں نے آنکھیں کھولیں اور ان کی زبان سے نکلنے والا پہلا جملہ یہ تھا..

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟''

یہ سن کر ان کے والد، جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، سخت ناراض ہوئے انھیں برا بھلا کہا اور پھر وہاں سے نکل گئے..تب ان کی والدہ ان کے

سرہانے سے جڑ کر بیٹھ گئیں.. وہ انھیں کچھ کھلانے پلانے کی کوشش اور اصرار کرتی رہیں..لیکن ان کی زبان سے صرف یہی ایک جملہ بار بار نکل رہا تھا..

''نبی اکرم ﷺ کا کیا ہوا؟ آپ ﷺ کا کیا حال ہے؟''

آپ کی والدہ نے کہا:

اللہ کی قسم! مجھے تمھارے ساتھی کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے.. انھوں نے اپنی والدہ سے کہا کہ وہ سیدہ ام جمیل بنت الخطاب رضی اللہ عنہا (خواہرِ فاروق رضی اللہ عنہ) کے پاس جائیں اور ان سے آپ ﷺ کا حال احوال دریافت کریں.. سیدہ ام جمیل (فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا) اسلام لا چکی تھیں..مگر دوسروں کی طرح وہ بھی ابھی اپنے اسلام کو چھپائے ہوئے تھیں۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ اپنے گھر سے روانہ ہوئیں اور سیدہ ام جمیل رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچیں.. اور ان سے یوں گویا ہوئیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ تم سے محمد بن عبداللہ (ﷺ) کی خیریت دریافت کرنا چاہتے ہیں..سیدہ ام جمیل رضی اللہ عنہا ڈر گئیں کہ اس طرح کہیں ان کے اسلام لانے کا انکشاف نہ ہو جائے.. لہٰذا کہنے لگیں:

''میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو نہیں جانتی اور نہ ہی محمد (ﷺ) کو پہچانتی ہوں، لیکن اگر تم چاہو تو میں تمھارے ساتھ تمھارے بیٹے کے پاس جانے کے لیے تیار ہوں۔''

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی والدہ نے کہا: ہاں ٹھیک ہے .. وہ ان کے ساتھ چل دیں.. جب وہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ وہ سخت زخمی اور تشویشناک حالت میں بے سدھ پڑے ہیں.. چہرے کا گوشت جگہ جگہ سے پھٹا ہوا اور خون جاری ہے.. یہ منظر دیکھ کر وہ رونے لگیں اور کہنے لگیں:

تمھاری قوم نے تمھیں مار مار کر تمھارا یہ حال کر دیا ہے۔ اللہ کی قسم! وہ لوگ بڑے ہی فاسق و فاجر اور کافر ہیں.. مجھے امید ہے اللہ ان سے تمھارا انتقام ضرور لے گا.. ان کی آواز سن کر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے:

اے ام جمیل رضی اللہ عنہا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا خبر ہے؟

سیدہ ام جمیل رضی اللہ عنہا نے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ کی طرف دیکھا جو ابھی مسلمان نہیں ہوئی تھیں .. وہ اس بات سے ڈر گئیں کہ کہیں وہ مسلمانوں کے بھید کفار تک نہ پہنچا دیں، لہٰذا سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہنے لگیں:

تمھاری ماں سن رہی ہے.. انھوں نے کہا:

آپ ان کی موجودگی سے نہ گھبرائیں.. یہ آپ کو کوئی اذیت نہیں پہنچائیں گی۔ اب سیدہ ام جمیل رضی اللہ عنہا نے کہا:

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! صحیح وسالم اور بخیر وعافیت ہیں۔''

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں تشریف فرما ہیں..

اب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ نے کہا:

تمھیں اپنے ساتھی (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی خیریت کا پتا چل گیا ہے.. اب کچھ کھا پی لو۔ انھوں نے کہا:

نہیں، اللہ کی قسم! میں اس وقت تک کچھ نہیں کھاؤں گا جب تک کہ میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی آنکھوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح

سلامت دیکھ نہ لوں۔ ان دونوں خواتین نے انھیں کچھ دیر انتظار کرنے کا مشورہ دیا.. جب رات کے اندھیرے چھا گئے، گلی میں لوگوں کی آمد و رفت ختم ہوگئی تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اٹھنے کی کوشش کی مگر نہ اٹھ سکے.. اب ان کی والدہ اور سیدہ ام جمیل رضی اللہ عنہا نے انھیں پکڑا اور وہ ان کے سہارے گھر سے روانہ ہوئے حتیٰ کہ انھوں نے انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کر دیا..

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اس حالت میں دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر جھک گئے اور انھیں بوسہ دینے لگے۔ وہاں موجود تمام مسلمان بھی ان کے گرد جمع ہوگئے..انھیں اس حال میں دیکھ کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سخت رقت طاری ہوگئی.. سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی زبان سے یہ کہنے لگے: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں، مجھے کچھ بھی نہیں ہوا..صرف اس فاسق عتبہ نے میرے چہرے کا جو حال کیا ہے صرف اس کی مجھے تکلیف ہے۔

پھر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ میری ماں ہے اور یہ اپنے بیٹے کے لیے بہت ہی شفیق و محسن ہے۔ آپ ایک مبارک شخصیت ہیں، انھیں اللہ کی طرف دعوت دیں، اسلام کی تبلیغ کریں اور اللہ سے ان کے لیے رشد وہدایت کی دعا فرمائیں، شاید کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت اللہ انھیں جہنم کی آگ سے بچا لے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے اسلام وہدایت کی دعا فرمائی اور انھیں اللہ تعالیٰ اور دین اسلام کی طرف دعوت دی تو وہ وہیں مسلمان ہوگئیں۔

(البداية والنهاية لابن كثير: ٣/ ٣٠)

ایمان وعزیمت کے اس مضبوط وعظیم پہاڑ ...سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی

طرف دیکھیں .. دعوت وتبلیغ میں ان کی گہری دلچسپی پر غور کریں اور دینِ اسلام پر ان کے ثبات و استقلال کی قوت پر انگشت بدنداں ہو کر انھیں داد دیں۔ کیا آپ نے کبھی اپنے گریبان میں جھانک کر اپنے آپ سے یہ سوال کیا ہے:

- آپ نے اسلام کی کیا خدمت سرانجام دی ہے؟

کتنے لوگ آپ کی دعوت وتبلیغ اورحسنِ اخلاق و کردار کے نتیجے میں راہِ ہدایت پر آئے ہیں..؟

- کیا آپ نے بھی اللہ کی راہ میں کوئی آزمایش اور مصیبت اٹھائی ہے..؟
- کیا آپ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں..؟

ہمت وشجاعت دکھلائیں اور اس میدان میں بھرپور رول ادا کریں۔ دعوت وتبلیغ کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات کے مقابلے میں عزیمتوں کے پہاڑ بن کر ڈٹ جائیں۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر اور معاون و مددگار ہوگا اور صراطِ مستقیم پر چلائے گا۔

12 اللہ کی پناہ چاہتا ہوں

ایک غریب اور فاقہ کش نوجوان تھا .. چلتے پھرتے گلی کوچوں میں پھیری لگاتا اور کچھ بیچ کر پیٹ پال رہا تھا.. وہاں ایک مالدار فارغ البال عورت تھی جو حرام میں ہاتھ رنگنے سے باز نہیں رہتی تھی۔ وہ شیطان کا پھینکا ہوا ایک جال تھی۔ ایک دن وہ نوجوان اس عورت کے گھر کے پاس سے گزرا تو اس عورت نے کواڑ کو تھوڑا سا کھول کر باہر جھانکتے ہوئے اس سے پوچھا: کیا سامان بیچ رہے ہو؟

اس نے اسے بتا دیا..عورت نے اس نوجوان سے کہا کہ اندر آجاؤ، میں سامان دیکھنا چاہتی ہوں.. جب وہ اندر داخل ہوگیا تو اس عورت نے دروازے کو اندر سے بند کر لیا اور اس نوجوان کو زنا وحرام کاری کی دعوت دے دی۔ وہ نوجوان اس عورت پر چلایا اور کہنے لگا:

معاذ اللہ! (میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں).. اور ساتھ ہی اس نے اُس وقت کو یاد کرنا شروع کر دیا جب تمام لذتیں مٹ جائیں گی اور حسرتیں گھیرا ڈال لیں گی۔ اس نے وہ دن یاد کیا جب زنا کاری و بدکاری سے لذت اٹھانے والے اعضائے جسم ہی اس کے خلاف گواہی دیں گے.. وہ پاؤں جن پر وہ چل کر گیا تھا.. ہاتھ جن سے اس نے چھوا تھا.. وہ زبان جس کے ساتھ اس

نے فحش گفتگو کی تھی.. بلکہ اس کے جسم کا ایک ایک حصہ اور رُواں رُواں اس کے خلاف گواہی دے گا..

اس نوجوان نے نارِ جہنم کی گرمی اور اللہ تعالیٰ کے عذابوں کو یاد کیا۔ وہ دن اور وہ منظر یاد کیا کہ زنا کاری کرنے والوں کو جہنم میں لٹکایا جائے گا.. انھیں لوہے کے کوڑوں سے مارا جائے گا.. ان میں سے جب کوئی اس مار سے گھبرا کر فریاد و پکار کرے گا تو اسے فرشتے کہیں گے:

تمھاری یہ آواز اس وقت کہاں تھی جب تم قہقہے لگا لگا کر ہنستے تھے؟ شاداں و فرحاں تھے، کھیل تماشے میں مگن تھے، تمھیں اللہ کا ذرہ بھی خیال نہ تھا اور نہ ہی تم اس سے حیا و شرم کھاتے تھے؟

اس نوجوان کو نبی اکرم ﷺ کا وہ ارشاد یاد آ گیا جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

«يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! وَاللّٰهِ إِنَّهُ لَا أَحَدٌ أَغْيَرَ مِنَ اللّٰهِ ... أَنْ يَزْنِيَ عَبْدُهُ أَوْ تَزْنِيَ أَمَتُهُ ... يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ! وَاللّٰهِ لَوْ تَعْلَمُونَ مَا أَعْلَمُ... لَضَحِكْتُمْ قَلِيلًا وَ لَبَكَيْتُمْ كَثِيرًا» (صحیح مسلم، برقم: ۹۰۱)

”اے امت محمد ﷺ! اللہ کی قسم! اللہ سے زیادہ غیرت کھانے والا کوئی نہیں.. اس کا کوئی بندہ یا اس کی کوئی بندی زنا کا ارتکاب کرے۔ اے امتِ محمد ﷺ! اللہ کی قسم! جو میں جانتا ہوں وہ باتیں اگر تمھیں معلوم ہو جائیں تو کم ہی ہنسو، زیادہ تر روتے ہی رہا کرو گے۔“

اسے وہ دن یاد آ گیا، جب نبی اکرم ﷺ نے خواب میں زنا کاری کرنے والے مردوں اور عورتوں کو دیکھا، جنھیں عریاں و مادر زاد ننگی حالت میں

ایک ایسی تنگ جگہ میں بند کیا گیا تھا جو روٹی پکانے والے تندور جیسی تھی، اس کا نیچے والا حصہ چوڑا اور بالائی جانب تنگ تھی.. وہ اس میں چیخ چلا رہے تھے.. ان کے نیچے سے بھڑکتی ہوئی آگ کا شعلہ آتا تھا اور جب یہ شعلہ آتا تو اس کی شدید گرمی سے وہ چلاتے تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: اے جبریل علیہ السلام! ''یہ کون لوگ ہیں؟''

انھوں نے جواب دیا: یہ زانی مرد اور زانی عورتیں ہیں۔

یہ عذاب انھیں قیامت کے دن تک دیا جاتا رہے گا اور آخرت کا عذاب اس سے بھی زیادہ سخت اور تادیر باقی رہنے والا ہے، اللہ تعالیٰ سے عفو و کرم اور عافیت کی دعا ہے۔ اس نوجوان کو اس کے شیطانی نفس نے مشورہ دیا: اب کر گزرو اور بعد میں توبہ کر لینا ..

لیکن اس نے کہا:

میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں.. میں اللہ کی قائم کردہ حد اور اس پردے کو کیسے تار تار کر دوں..؟ میں اس عورت کو کیسے دیکھوں جس کا دیکھنا میرے لیے حلال نہیں ہے، جبکہ ہمارے اوپر سے اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں دیکھ رہا ہے۔ پھر ہم مخلوق سے کیسے پردے میں رہ سکیں گے جب خالق کے سامنے اس فسق و فجور کا ارتکاب کریں گے؟

وہ تھوڑی دیر کے لیے خاموشی سے سوچتا رہا کہ اس مشکل سے کیسے نکلوں؟ اس کی نگاہیں دروازے پر جمی تھیں.. اتنے میں وہ بدکار عورت چلا کر کہنے لگی کہ اگر تم نے اس فعل کا ارتکاب نہ کیا جو میں چاہتی ہوں تو میں شور مچادوں گی۔ گرد و پیش کے لوگوں کو اکٹھا کر کے کہوں گی کہ اس نوجوان نے

میرے گھر میں گھس کر میری عزت پر ہاتھ ڈالنا چاہا ہے.. اس کے بعد تمھارا انجام قتل یا کم ازکم تمھارا ٹھکانا جیل ہوگی..

وہ پاک دامن نوجوان یہ صورتِ حال دیکھ کر ہنسنے لگا۔

اُس نے اِس بدکار عورت کو اللہ کا خوف دلایا مگر وہ باز نہ آئی۔ جب اس نے یہ سب دیکھا تو اس نے کسی بھی طرح اس عورت سے جان چھڑانے کا حیلہ اور بہانا سوچنا شروع کر دیا، بالآخر اس نے کہا کہ میں بیت الخلا (toilet) میں جانا چاہتا ہوں۔ اس عورت نے ٹائلٹ کی طرف اشارہ کر دیا..

وہ جب بیت الخلا میں داخل ہوا تو اس نے اس کی کھڑکیوں کی طرف نظر دوڑائی اور اندازہ لگا لیا کہ وہ ان کے راستے یہاں سے فرار نہیں ہوسکتا۔ اب گلو خلاصی کے لیے اسے صرف یہی ترکیب سوجھی کہ وہ اپنے آپ کو گندگی مل لے.. چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور لیٹرین سے غلاظت اٹھا کر اپنے ہاتھوں، جسم اور کپڑوں پر مل لی.. اور پھر اس فاحشہ عورت کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

جب اس نے اسے اِس حال میں دیکھا تو چلا اٹھی اور اس سے لیا ہوا سامان اُٹھا کر اس کے منہ پر مارا اور اسے گھر سے دھکیل دیا.. وہ گلی سے گزر رہا تھا تو بچے اس کے پیچھے پاگل پاگل کا شور مچا رہے تھے یہاں تک کہ وہ اپنے گھر جا پہنچا۔ اپنے کپڑے تبدیل کیے اور نہا دھو کر بدن کو صاف کیا۔

اس وقت سے لے کر اس کے جسم سے مسلسل خوشبو پھوٹتی رہی.. یہاں تک کہ وہ اس دار الفنا سے دار البقا کی طرف انتقال کر گیا۔

(ماخوذ از المواعظ علّامہ ابن الجوزي)

13 جنت پا گئے

ماعز بن مالک اسلمی رضی اللہ عنہ صحابہ میں سے ایک خوبرو نوجوان تھے.. مدینہ منورہ میں ہی ان کی شادی بھی ہو چکی تھی.. ایک دن شیطان نے انھیں وسوسے میں مبتلا کیا اور ایک انصاری صحابی کی کنیز کے بارے میں بہکا پھسلا لیا۔ وہ اسے لوگوں کی نگاہوں سے خلوت میں لے گئے اور ان کے مابین تیسرا شیطان داخل ہوگیا جو ان دونوں کے دماغ پر سوار ہو کر ان دونوں کو ایک دوسرے کے لیے خوب بنا سنوار کر پیش کرتا رہا حتیٰ کہ وہ حرام فعل.. زنا کاری.. کا ارتکاب کر بیٹھے..

ماعز رضی اللہ عنہ جب اس گناہ میں ہاتھ رنگنے سے فارغ ہوئے تو شیطان ان کے دماغ سے نکل کر الگ ہو گیا..اب انھوں نے شدتِ غم و ندامت سے رونا شروع کر دیا.. وہ اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے اور اپنے نفس کا محاسبہ کرنے میں لگ گئے۔ وہ اللہ کے عذاب سے اس حد تک ڈر گئے کہ انھیں اپنی زندگی اجیرن لگنے لگی..ان پر عرصۂ حیات تنگ ہو گیا.. ان کے گناہ نے انھیں اپنے گھیرے میں لے کر ستانا شروع کر دیا یہاں تک کہ اس گناہ نے ان کے دل کو جلا کر خاک کر دیا..

اب وہ طبیبِ قلوب، روحانی بیماریوں کے معالج، حکیم الامت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے.. اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہو کر

یوں عرض گزار ہوئے:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ بندہ زنا کا ارتکاب کر بیٹھا ہے..آپ مجھے سزا دے کر اس گناہ سے پاک کر دیں۔''

نبی اکرم ﷺ نے اپنا رخِ مبارک دوسری طرف پھیر لیا۔ وہ گھوم کر ادھر آپ ﷺ کے سامنے آ کھڑے ہوئے اور پھر عرض پرداز ہوئے:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! میں زنا کر بیٹھا ہوں، مجھے سزا دے کر پاک کر دیجیے۔''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''تیرا بھلا ہو! لوٹ جاؤ اور اللہ سے توبہ و استغفار کرو۔''

وہ تھوڑا سا لوٹ کر گئے مگر ان سے صبر نہ ہوا اور پھر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور یوں درخواست کی:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھ پر زنا کی سزا نافذ کر کے مجھے اس گناہ سے پاک فرما دیں۔''

نبی ﷺ نے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا:

''تیرا بھلا ہو! لوٹ جاؤ اور اللہ کے حضور توبہ تائب ہو جاؤ اور اس سے مغفرت وبخشش مانگو۔''

راوی کا بیان ہے کہ وہ واپس لوٹ گئے اور تھوڑی ہی دور گئے..مگر پھر فوراً لوٹ آئے اور گریہ زاری کرنے لگے:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! مجھے پاک کر دیجیے۔''

نبی ﷺ نے غصے کے ساتھ زور دار آواز سے فرمایا:

تیرا بُرا ہو..! تمھیں کیا معلوم ہے کہ زنا کیا ہے؟ پھر نبی ﷺ نے حکم فرمایا کہ اسے ہمارے سامنے سے دور ہٹا دو.. مگر وہ یکے بعد دیگرے.. اور دوبارہ سہ بارہ.. لوٹ لوٹ کر آتے ہی چلے گئے.. جب ان کا بار بار لوٹنا بڑھ گیا تو نبی کریم ﷺ نے ان کے خاندان اور قبیلہ کے لوگوں سے پوچھا:

''یہ نوجوان کہیں پاگل تو نہیں؟''

لوگوں نے عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمیں اس میں کسی قسم کی کوئی بیماری نظر نہیں آئی۔''

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''شاید یہ اس وقت شراب پیے ہوئے اور نشے کی حالت میں یہ سب کچھ کہہ رہا ہو؟''

ایک آدمی اٹھا اور اس نے ان کے منہ کے قریب جا کر سونگھا تو اسے شراب جیسی کوئی بدبو محسوس نہ ہوئی۔

تب نبی مکرم ﷺ نے فرمایا:

''جانتے ہو.. زنا کیا ہے؟''

انھوں نے عرض کیا :

جی ہاں! میں نے ایک عورت کے ساتھ ایک فعلِ حرام کا ارتکاب کیا ہے اور اس کے ساتھ وہی کچھ کیا ہے جو کوئی آدمی اپنی بیوی سے حلال طور پر کرتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے ان سے دریافت کیا:

''تم اپنی اس بات سے کیا کہنا چاہتے ہو؟''

انھوں نے عرض کیا کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ ﷺ مجھ پر شرعی حد قائم فرما دیں اور مجھے اس گناہ سے پاک کر دیں..

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

ٹھیک ہے.. اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا کہ اس نوجوان کو رجم (سنگسار) کر دیا جائے چنانچہ انھیں رجم کر دیا گیا حتیٰ کہ وہ مسلسل پتھر لگنے کے نتیجے میں وفات پا گئے ..

جب ان کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی اور انھیں دفن کیا گیا تو نبی اکرم ﷺ اپنے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی معیت میں اس مقام سے گزرے جہاں انھیں سنگسار کیا گیا تھا۔ نبی اکرم ﷺ نے سنا کہ وہاں دو آدمی آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک شخص اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا:

اس آدمی کو دیکھو کہ اس کے گناہ پر اللہ نے پردہ ڈال رکھا تھا لیکن اس نے اپنے گناہ کو پردے میں نہیں رکھا اور کنکر و پتھر سے یوں سنگسار کیا گیا ہے جیسے کسی کتے کو کنکر و پتھر مار مار کر جان سے مار دیا جاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ ان کی باتیں سن کر خاموش رہے اور گھڑی بھر اسی طرح چلتے گئے.. آگے جا کر ایک جگہ مرے ہوئے گدھے کو پڑے دیکھا، جسے سورج کی گرمی نے جلا رکھا تھا.. اس کا پیٹ خوب پھول گیا ہوا تھا جس کے نتیجے میں اس کی ٹانگیں اوپر کو اٹھ چکی تھیں..

جب نبی ﷺ نے اس مردار گدھے کو دیکھا تو فرمایا:

فلاں فلاں آدمی (دونوں باتیں کرنے والے) کہاں ہیں؟

ان دونوں نے عرض کیا:

اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم یہ موجود ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

سواریوں سے اترو اور اس مردہ گدھے کا گوشت کھاؤ۔

ان دونوں نے عرض کیا:

اے اللہ کے نبی ﷺ! اس مردہ گدھے کا گوشت کون کھا سکتا ہے؟

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

تم نے ابھی ابھی اپنے سنگسار شدہ بھائی کی غیبت کر کے جو گناہ کیا ہے.. وہ اس بدبودار مردار کا گوشت کھانے سے بھی بدترین فعل ہے.. اس نوجوان نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس توبہ کو پوری امت پر تقسیم کر دیا جائے تو وہ ان سب کے کے لیے کافی ہو جائے۔ مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ نوجوان تو اس وقت جنت میں مزے لوٹ رہا اور اس کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے..

سیدنا ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کی خوش نصیبی کے کیا کہنے..؟ جی ہاں! ان سے زنا کا گناہ تو سرزد ہوا.. انھوں نے اپنے اور اپنے رب کے درمیان کا پردہ تو چاک کیا لیکن پھر توبہ ایسی کی کہ اگر ان کی توبہ کو پوری امت پر تقسیم کر دیا جائے تو ساری امت کے گناہ معاف کر دیے جائیں۔

[یہ واقعہ صحیح بخاری (۴۹۷۰) ومسلم (۱۶۹۱) دونوں میں ہی ہے اور ہم نے اس کی متعدد روایات کے مجموعے کا مفاد بیان کیا ہے]

14 ایک گلوکار کی توبہ

اس نے اپنے آنسوؤں کو روکتے ہوئے کہا:

وہ کھڑکی میں کھڑی ہو کر آنسو بھری آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی تھی اور اپنے ان ہاتھوں سے اشارہ کر رہی تھی، جنھیں مرورِ زمانہ نے لاغر و کمزور کر رکھا تھا.. وہ اپنے آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہی تھی.. مگر وہ جذباتِ آہ و بکا سے مغلوب ہوگئی اور اس نے پُھوٹ پُھوٹ کر رونا شروع کر دیا..

میں نے رُک کر اس کی طرف دیکھنا شروع کر دیا.. اس کے رونے کی آواز میرے کانوں تک پہنچ رہی تھی.. لیکن میرے گناہوں کی ایک دبیز اور موٹی تہہ میرے سینے پر بیٹھی تھی جو اس کی آہ و بکا میرے پتھر جیسے سخت دل تک پہنچنے کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی تھی۔

میں نے اس کے پاس رہنے کے لیے اس کی تمام منتیں سماجتیں ٹھکرا دیں اور اپنے ہی شہر کی یونیورسٹی میں داخلہ لے کر اپنی تعلیم مکمل کرنے کی نصیحت و مشورے کو پرکاہ کی حیثیت بھی نہ دی.. انانیت و خودغرضی، خودپسندی.. جعلی و کھوکھلی حریت و آزادی کی تلاش اور مستقل بالذات شخصیت کے خواب بلکہ خواہشاتِ نفس و شہوت کی غلامی، لذتِ کام و دہن کی اسیری اور جن و اِنس

کے تمام شیطانوں کا گھیراؤ تھا اور وہ سب ایک دوسرے کے ہمنوا بن کر مجھے بہکانے پر متحد ہو چکے تھے..

میں اس کی نصیحتوں اور مشوروں سے راہِ فرار اختیار کر گیا.. اس کی شفقت و محبت بھری مامتا سے بھاگ نکلا تھا..مگر وہ اس بات سے ڈر رہی تھی کہ میں کہیں اخلاقی انحراف اور بے راہ روی کا شکار نہ ہو جاؤں۔ میں نے اسے گھر کی کھڑکی کے سامنے کھڑے الوداع کرتے ہوئے چھوڑا.. میں تو اس کی نگاہوں سے غائب ہو گیا..مگر وہ اسی جگہ کھڑی تھی..

میں نے دل ہی دل میں کہا: الوداع امی جان!

مجھ پر ایک عرصہ گزر گیا کہ میں اپنی والدہ سے غائب تھا.. مجھے گھر سے نکلتے وقت یہ الفاظ بھی سننے کو نہیں مل رہے تھے: بیٹا! اللہ کی سپرد.. بیٹا! تم کہاں جا رہے ہو؟ وہاں مجھے یہ الفاظ سننے کو نہیں مل رہے تھے: بیٹے! تم اتنی دیر سے کیوں آئے ہو؟

میں لہو ولعب اور عیش کوشی کی زندگی گزارنے میں مگن ہوگیا، وہ زندگی جس میں غفلت شعاری اور نافرمانی و گناہ کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا ..

''میری آواز بہت سریلی ہے۔''

یہ کہہ کر میرے بُرے ساتھی گلوکاری کو میرے سامنے بنا سنوار کر پیش کرنے لگے اور میں نے گانا شروع کر دیا..انسانی شکلوں میں میرے گرد منڈلانے والے شیطانوں نے داد و دہش کے ڈونگرے برسانے شروع کر دیے۔ ان کی اس واہ واہ نے میرے دل میں نرم گوشہ پیدا کر لیا..

آخر وہ دن بھی آ گیا کہ مجھے باقاعدہ سٹیج پر گانے کی دعوت دی گئی.. اب

میں ایک عجیب آویزش اور خوفناک کشمکش میں مبتلا ہو گیا کہ کروں تو کیا؟ ابھی تک شرم و حیا کا مادہ میرے دل میں تھوڑی سی جگہ لیے ہوئے تھا.. میں کچھ دیر کے لیے ہاں اور نہ کی ملی جلی کیفیت میں رہا..

میرا دل مجھے ملامت کر رہا تھا.. ہرگز نہیں.. میں ان فاسق لوگوں کی طرح سٹیج پر کھڑے ہو کر نہیں گاؤں گا.. لیکن عین اسی وقت میرا شیطانی نفس مجھے زجر و توبیخ اور لعنت و ملامت کر رہا تھا.. یہ تمھارے لیے ایک سنہری موقع ہے.. اسے ہاتھ سے ہرگز نہ جانے دو.. تم ایک مشہور فنکار بن جاؤ گے۔ بہت پس و پیش اور تردّد کے بعد بالآخر میں نے وہ دعوت قبول کر لی۔

میں سٹیج پر تو چڑھ گیا مگر ابھی تک بھی میرے دل میں شرم و حیا کے چند قطرے باقی تھے.. لیکن گانے کے پہلے بول کے ساتھ ہی رہی سہی شرم و حیا بھی جاتی رہی.. سارا ہال ساز و موسیقی سے گونج اٹھا.. لوگ جھوم جھوم کر لطف اندوز ہو رہے تھے.. میں جب جب خاموش ہوتا.. لوگوں کی داد و دہش اور تعریفی کلمات مجھے مسلسل گانے پر آمادہ کرتے جاتے تھے.. وہ رات تو گزر گئی.. مگر اس نے میرے رہے سہے ایمان کا بھی خاتمہ کر دیا۔

میرے بُرے دوستوں کی تعداد بڑھنا شروع ہوگئی۔ پروگرام کرنے کی دعوتیں بکثرت ہوتی گئیں۔ میں ایک سٹیج سے دوسرے سٹیج کی طرف لپکنے لگا.. طرح طرح کے گناہوں اور رنگا رنگ نافرمانیوں کا دور شروع ہو گیا۔ کہیں عمومی رتجگے ہوتے تو کہیں خصوصی نائٹ پروگرامز۔ مجھے ایک پیلس میں موسیقی اور گانے کے ایک بہت بڑے پروگرام میں شرکت کی دعوت دی گئی، میں نے اس میں بعض گانے پیش کیے جن سے لوگ بہت لطف اندوز ہوئے..

میں واقعی فنِ گلوکاری کے آسمان پر رونما ہونے اور چمکنے والا نیا ستارہ تھا.. گانا وموسیقی کے میلے یا جشن کے بعد ایک بہت بڑے فنکار کی طرف سے مجھے دعوت ملی جس میں اس نے مجھے یہ آفر دی کہ وہ میری فنی تربیت کرنے اور مجھے اپنی شاگردی میں لینے کے لیے تیار ہے تاکہ وہ مجھے تراش سکے ..

میں نے اس کے مینجر کے ذریعے اس مشہور فنکار کی اپوائنٹمنٹ حاصل کی، تاکہ اس سلسلے میں معاملات کو ترتیب دیا جا سکے۔ اپوائنٹمنٹ کے لیے جمعرات کا دن طے پایا۔ شب و روز بڑی تیزی سے گزرتے گئے۔ طے شدہ دن سے دو روز قبل میں بعض تقریبات میں شرکت کرنے کے لیے اپنے گھر آیا.. گھر میں ایک مسلسل کیف و سرور اور خوشی کی لہر دوڑ رہی تھی.. جمعرات کو میرے بھائی کی شادی تھی اور بدھ کو میری دو بہنوں کی تقریبِ نکاح خوانی طے پائی تھی۔

میری ماں شاداں وفرحاں شہد کی مکھی کی طرح اِدھر سے اُدھر اڑتی پھر رہی تھی اور خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔ وہ لوگوں کی خیروبرکت کی دعاؤں اور تہنیت و مبارکبادوں کے جواب بھی دیتی جا رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر فرحت ومسرت کا یہ عالم تھا کہ اگر وہ ساری دنیا کو بانٹ دی جائے تو کائنات کی ہر چیز مسکرانے لگے۔ وہ دن رات کو ایک کیے ہوئے شادی کی بڑی تقریب کے انتظامات میں مصروف تھی.. ہر ہر چیز کو بذاتِ خود دیکھ کر اطمینان کر لینا چاہتی تھی۔ ہر چھوٹی بڑی چیز کے بارے میں وہ پوچھ تاچھ کر رہی تھی..

جمعرات کا دن بہت ہی جلد آن پہنچا، لیکن اس دن ایک ایسا حادثہ رونما ہوا جس نے میری زندگی کا دھارا ہی بدل کر رکھ دیا.. وہ المناک واقعہ

جس نے مجھے خوابِ غفلت سے بیدار کر دیا.. اس المیے نے میرے مردہ دل کو زندگی دے کر پھر سے دھڑکنا سکھلا دیا۔

اس حادثے نے مجھے غلاظت کی دلدل سے باہر نکال دیا.. ذلالت و کمینگی کے کیچڑ سے باہر کھینچ لیا.. اس نے مجھے گانا وموسیقی کے گندے جوہڑ سے نکال کر صاف ستھری جگہ پر لا پھینکا.. میری ماں فوت ہوگئی ..کس طرح؟

میں کچھ نہیں جانتا.. لیکن اہم بات تو یہ ہے کہ وہ فوت ہو گئی.. لیکن اس سے قبل ہماری خوشی کے اس موقع پر وہ ہمارے ساتھ شریک رہی.. پھر وہ تھوڑا سا ایک طرف کو ہوگئی اور اس نے اپنا تھکا ماندا جسم اپنے بستر پر گرا لیا.. وہ اپنی زبانِ حال سے گویا کہہ رہی تھی:

''میرے بچو! الوداع ..اب تم بڑے ہوگئے ہو۔''

خوشی کی یہ تقریب سوگ اور ملال و حزن میں بدل گئی.. سب کے چہرے اداس و خاموش ہوگئے۔ لوگوں پر دہشت سی طاری ہوگئی اور اس ناگہانی حادثے نے سب کی زبانیں گنگ کردیں.. ہر آنکھ ہی اشک بار ہوگئی اور دل دہل گئے.. گھر کی ہر طرف سے سسکیوں کی آوازیں اٹھ رہی تھیں.. ہر چیز آہ و بکا میں مصروف تھی.. سوائے میری ماں کے.. وہ اپنے بستر پر انتہائی پرسکون پڑی تھی اور اس کے گرد و پیش کیا ہو رہا ہے..؟ اسے اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔

گھر والے اسے غسل دینے لگے.. تجہیز وتکفین کا مرحلہ طے ہوا تو میں اس کمرے میں داخل ہوا جہاں سفید کفن میں ملبوس اس کی میت پڑی تھی.. میں نے اس کا آخری دیدار کیا ..اس کا چہرہ اسی طرح انتہائی پرسکون و پراطمینان نظر آرہا تھا جس طرح ایامِ حیات میں ہوا کرتا تھا۔

میں نے اس کے منہ، اس کی آنکھوں اور اس کے ہاتھوں کو خوب گہری نظر سے دیکھا...کل تک میری یہ ماں مجھے اس خوف کی بنا پر اپنے سے دور جانے سے روکا کرتی تھی کہ میں کہیں بگڑ نہ جاؤں.. میں نے اسے بوسہ دیا، اس پر خوب جی بھر کر رویا اور میرے اردگرد کھڑی میری بہنیں بھی خوب دل کھول کر روئیں.. بالآخر ان لوگوں نے مجھے غسل و تکفین والے اس کمرے سے باہر نکال دیا..

کئی گھڑیاں بڑی تیزی سے گزر گئیں..جن کے گزرنے کا مجھے احساس ہی نہ ہوا۔ ناگاہ میں نے اپنے آپ کو صف میں کھڑے اس کی نمازِ جنازہ پڑھتے پایا.. اس کی میت بلاحس وحرکت پڑی تھی.. اور امام صاحب ''اللہ اکبر، اللہ اکبر'' کی آوازیں دہرا رہے تھے.. میں نے دل و جان کی گہرائیوں سے اس کے لیے دعائیں کیں.. اور یہ دعائیں بھی کیں کہ اللہ مجھے وہ تقصیریں اور کوتاہیاں بھی معاف کر دے جو میں نے اس کے حقِ خدمت میں کی ہیں۔

لوگوں کے ساتھ میں نے بھی اس کے جنازے کو کندھا دیا اور اسے اٹھا کر اس کی آرام گاہ قبرستان کی طرف چل دیے.. میں نے اس کی قبر پر مٹی ڈالنا شروع کر دی میری زبان پر بے ساختہ یہ دعا جاری تھی:

''اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْھَا، اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْھَا''

''اے اللہ! اسے ثابت قدم رکھنا۔ اے اللہ! اسے ثابت قدمی عطا کرنا۔''

سارا دن تو تعزیت کرنے والوں کے مابین گزر گیا..لیکن اب رات کا ماجرا کچھ اور ہی تھا۔

میں آج ذرہ جلدی ہی اپنے بیڈ روم میں داخل ہو گیا.. تمام لائٹیں آف

کر دیں.. اور اپنے آپ کو بستر پر گرا لیا.. اب ماضی کی فلم میری آنکھوں کے سامنے چلنے لگی اور اس کی ایک ایک تصویر میرے دل و دماغ کے پردے پر عیاں ہوتی گئی.. میری والدہ کی آوازیں میرے کانوں بلکہ میرے گرد و پیش میں گونج رہی تھیں:

میرے بیٹے! اٹھو.. تمھاری نماز کا وقت نہ نکل جائے.. تیرے ساتھی مسجد میں تیرا انتظار کر رہے ہیں..

کبھی یہ آوازیں میرے کانوں کے پردوں سے ٹکرانے لگتیں:

اے میرے لختِ جگر! میرے پاس ہی رہو، مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ، اپنی تعلیم جاری رکھو.. یہ سفر اختیار نہ کرو..

بیٹا! اپنا خیال رکھا کرو..

حسرتوں، ندامتوں، غموں اور پریشانیوں کے بادل میرے سینے پر چھا گئے اور دل پر ان کے بوجھ کی وجہ سے مجھ سے سانس لینا دشوار ہوگیا.. نافرمانیوں کے واقعات کی ایک رِیل چل پڑی جو ان تمام مناظر کو ایک ایک کرکے میری آنکھوں کے سامنے پیش کرنے لگی..

میری ماں مجھے سعادتوں اور خوشیوں سے ہمکنار کرنے میں کوشاں رہی اور میں نے ہمیشہ اسے دکھوں سے دو چار کیا۔ وہ میرا دامن فرحتوں سے بھرتی رہی اور میں اسے رلاتا رہا.. مجھے ایک ایک کرکے وہ تمام اوقات یاد آنے لگے جب وہ میری منتیں سماجتیں کرتی اور پر اُمید التجائیں کرتی کہ باہر نہ جاؤ.. اور یہ برے کام نہ کرو.. اب میں ان سب پر آہیں بھر رہا اور حسرتوں کے آنسو بہا رہا ہوں..

آہ! میں کتنا نافرمان تھا اپنی ماں کا.. آخرت میں میرا کیا انجام ہوگا؟ جبکہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

« لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ » (صحيح البخاري، برقم: ٥٦٣٨)

''قطع رحمی کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔''

میری ماں کے رِحم سے بڑھ کوئی اور رحم و رشتہ کیا ہوگا؟ مجھے ڈر ہے کہ اللہ کہیں مجھے اس گناہ کی فوری سزا نہ دے جو میری نسبت میرے بچوں کی نافرمانی کی شکل میں بھی ہوسکتا ہے ..

میں چلّا اٹھا: اے میرے پروردگار! مجھے معاف کردے.. کاش میری ماں دوبارہ دنیا میں لوٹ کر آجائے اور میں اس کے سر کو چوم کر اس سے معافی مانگ لوں، بلکہ میں اپنا سر اس کے قدموں میں رکھ کر اپنے اشک ہائے ندامت سے اس کے پاؤں دھو دوں ..

اس بیچاری نے میرا کیا بگاڑا تھا کہ میں نے اس کے ساتھ اتنا سرد مہری کا سلوک کیا؟ اس کا کیا قصور تھا کہ میں نے اس کے لیے یہ متکبرانہ رویہ اپنایا؟

کیا یہی وہ شخصیت نہیں جس نے نو ماہ تک مجھے اپنے پیٹ میں اٹھائے رکھا؟ پھر وضع حمل کی اذیتیں برداشت کیں اور میرے بچپن میں میرے آرام کی خاطر خود جاگ جاگ کر راتیں کاٹیں؟

آہ! میرا دل کتنا ہی سخت ہے..!

اپنے والد کے لیے تو میری حالت اس سے بھی زیادہ بری تھی.. میں خوب رویا.. میں نمازِ جنازہ کے لیے کھڑا ہوا.. مگر میں کچھ بھی نہ پڑھ سکا۔ میری زبان گنگ ہوگئی تھی.. میرے آنسو بہت ہی گرم تھے.. انھوں نے میرے دل

کی سختی کو پگھلا کر نرم کر دیا.. اب میں سجدہ ریز ہوا تو میں نے اپنے آنسوؤں سے سجدہ گاہ کو بھگو دیا.. ایک پکار تھی جو میرے دل کی گہرائیوں سے اٹھ رہی تھی.. صدقِ دل سے دعائیں بھی زبان سے ادا ہو رہی تھیں اور میرے جسم کا رُواں رُواں آمین آمین کہہ رہا تھا..

میں نے اپنے رب سے یہ عہد کیا کہ میں اپنی ماں کی موت کے بعد اب اس کے لیے ہمیشہ مغفرت ورحمت کی دعائیں کرتا رہوں گا اور حسبِ استطاعت اس کے ایصالِ ثواب کے لیے صدقہ و خیرات سے بھی دریغ نہیں کروں گا..

میں نے اپنے رب سے یہ بھی دعا کی کہ اے اللہ! اپنے اس عہد کو نبھانے اور اس پر ثابت قدم رہنے میں میری مدد کرنا.. اور میں نے بار بار یہ دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِىْ عَلٰى دِيْنِكَ»

''اے اللہ! اے دلوں کو پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم و ثابت رکھنا۔''

میں نے نمازِ جنازہ مکمل کی.. اب میں نے اپنے سیاہ اور مایوس کن ماضی پر نظر دوڑائی.. اپنے کرتوتوں کے دفتر اور کارستانیوں کے اوراق پلٹے تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک رجسٹر (ALBUM) میرے بعض گانوں کا ہے.. کہیں پرستاروں کے خطوط کا بنڈل پڑا تھا.. ادھر لوگوں کے ساتھ اور مختلف پروگراموں میں بنائے گئے تصویری البم رکھے تھے.. ایک جگہ میرے مشہور و مقبولِ عام گانوں کا کیسٹ پڑا تھا اور پاس ہی کچھ دوسرے بدکاروں کے گانوں کے کیسٹ بھی رکھے تھے..

میں نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور اس میں جتنے کارڈ تھے، وہ نکالے

تو ان میں سے ایک کارڈ ایک بہت بڑے فنکار کا بھی تھا۔ اسے دیکھ کر مجھے جمعرات کی عصر کو اس کے ساتھ اپنی اپوائنٹمنٹ یاد آ گئی..

میں چلّا اٹھا ''اَعُوۡذُ بِاللّٰہ،، (اللہ کی پناہ!)

میں نے اپنے ہاتھ سے اس کارڈ کو پھاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا.. اب میں نے آس پاس سے ہر اس چیز کو جمع کیا جو مجھے میرے گناہوں اور نافرمانیوں کی یاد دلانے والی تھی.. ان سب کو میں نے ایک بوری میں ڈالا.. اور اگلے دن میں نے ان سب سے ہمیشہ کے لیے جان چھڑا لی..

15 قصہ ایک بطلِ اسلام کا

وہ ایک خوبرو نوجوان تھے۔ ان کی تربیت و پرورش ایک معزز و باوقار اور صاحبِ سلطان و اقتدار گھرانے میں ہوئی تھی۔ اپنی قوم میں ان کی بہت عزت و تعظیم کی جاتی تھی، اپنے ملک و علاقے میں ان کی ایک ہیبت و دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اپنے ہم عمر لوگوں میں سرکردہ تھے اور اپنے زمانے کے منفرد شخص.. بلکہ فریدِ دہر اور وحیدِ عصر تھے۔ یہ ہیں سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ..!

وہ آتش پرست مجوسی تھے..آگ کی پوجا کیا کرتے تھے.. ان کا باپ اپنی قوم کا سردار تھا.. وہ اپنے اس ہونہار بیٹے کو دل و جان سے چاہتا تھا..اس نے انھیں اپنے گھر میں آگ کے پاس ہی ٹھہرا رکھا تھا..

آگ کے پاس طویل عرصہ تک ٹھہرے رہنے کے نتیجے میں انھوں نے مجوسیت کو سیکھنے میں خوب محنت کی حتیٰ کہ وہ اپنے معبود ''آگ'' کو جلانے والے بن گئے..

ان کے باپ کا ایک بہت بڑا باغ تھا، وہ روزانہ اس باغ میں جایا کرتے تھے..ایک دن ان کا باپ اپنے گھر میں کسی تعمیری کام میں مشغول تھا کہ اس نے اپنے بیٹے سے مخاطب ہوکر کہا:

سلمان! تم میری جاگیر میں جاؤ اور وہاں فلاں فلاں کام کرو۔

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ بہت خوش ہوئے.. وہ اس قید سے باہر نکلے.. اور سیدھے باغ کی طرف چل دیے.. جب وہ باغ کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں ان کا گزر عیسائیوں کے ایک گرجے (CHURCH) کے پاس سے ہوا .. انھوں نے وہاں پر پوجا پاٹ کی آوازیں سنیں تو گرجے میں داخل ہوگئے تاکہ دیکھیں کہ وہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ انھوں نے ان کی پوجا پاٹ یعنی عبادت کا جو انداز دیکھا وہ انھیں اچھا لگا اور ان کی پیروی کرنے کو جی چاہا۔ انھوں نے دل ہی دل میں کہا کہ جس دین مجوسیت و آتش پرستی پر ہم ہیں اس سے تو یہ اچھا ہے۔ انھوں نے عیسائیوں سے ان کے دین کے بارے میں سوال کیا اور تفصیل پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ ان کے دین کا مرکز شام ہے اور ان کا سب سے بڑا عالم بھی وہیں ہے..

وہ شام تک انھی کے پاس رہے حتی کہ دن غروب ہوگیا اور اپنے والد کے پاس لوٹ آنے میں انھیں تاخیر ہوگئی..

جب وہ لوٹ کر اپنے والد کے پاس آئے تو اس نے ان سے پوچھا:

بیٹا! اب تک تم کہاں تھے؟

انھوں نے عرض کیا:

میرا کچھ ایسے لوگوں کے پاس سے گزر ہوا جو اپنے کنیسہ (چرچ) میں عبادت و پوجا پاٹ کر رہے تھے۔ ان کا طریقۂ کار اور عبادت مجھے اچھی لگی.. میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے..

ان کا والد ڈر گیا اور کہنے لگا:

اے میرے بیٹے! تمھارا دین اور تمھارے آبا و اجداد کا دین ان کے دین سے بہت ہی اچھا ہے..

اس پر انھوں نے برجستہ کہا: اللہ کی قسم! ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا..

حقیقت یہ ہے کہ ان کا دین ہمارے دین سے بہت اچھا ہے۔

ان کا باپ اب اس خدشے میں مبتلا ہوگیا کہ یہ کہیں دینِ مجوس سے خارج نہ ہو جائے.. چنانچہ اس نے ان کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر انھیں گھر میں محبوس کر دیا.. سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنے باپ کی طرف سے جب یہ سلوک دیکھا تو عیسائیوں کی طرف اپنا قاصد بھیجا کہ میں تمھارے دین پر خوش ہوں اور اسے قبول کرنے کی خواہش رکھتا ہوں.. جب شام کے عیسائیوں کا کوئی وفد تمھارے پاس آئے تو اس کے آنے کی مجھے اطلاع دینا..

ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ شام سے ایک وفد ان کے پاس آ گیا جو شام کے عیسائی تاجروں پر مشتمل تھا.. انھوں نے سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کی طرف آدمی بھیج کر انھیں پیغام پہنچا دیا۔ انھوں نے اس پیغام رساں کو یہ جواب دے بھیجا کہ جب وہ تاجر اپنے کام کاج سے فارغ ہو جائیں اور ان کا واپسی کا ارادہ ہو جائے تو مجھے مطلع کر دیں۔

جب تاجروں نے واپسی کا پروگرام طے کر لیا تو انھوں نے سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کو اس کی اطلاع پہنچائی اور ملاقات کے لیے ایک جگہ طے کر دی.. سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے کوشش کر کے کسی نہ کسی طرح اپنے پاؤں کی بیڑیوں کو کھولا.. اپنے گھر سے طے شدہ جگہ کی طرف چل دیے اور وہاں سے ان تاجروں کے ساتھ ہی شام روانہ ہوگئے۔ جب وہ شام پہنچے تو انھوں نے ان سے

پوچھا کہ اس دین عیسائیت کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ انھوں نے جواب دیا: وہ پادری (BISHOP) جو چرچ میں ہے۔①

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کنیسہ کی طرف چل پڑے.. انھوں نے وہاں موجود بشپ کو اپنے سارے ماجرے کی خبر دے دی.. اور اسے بتایا کہ میں اس دین کو قبول کرنے کی خواہش رکھتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ رہا کروں.. آپ کی خدمت کروں.. آپ کے ساتھ ہی عبادت کروں اور آپ ہی سے تعلیم حاصل کروں..

بشپ نے ان سے کہا: تم میرے ساتھ رہ سکتے ہو..

اس طرح سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے بشپ کے ساتھ کنیسہ ہی میں رہنا شروع کر دیا۔

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نیکی کے کاموں، فلاح و بہبود کے امور اور عبادت و بندگی میں کوشاں رہا کرتے تھے.. جبکہ وہ بشپ اپنے دین عیسائیت کا بدترین شخص تھا۔ وہ لوگوں کو صدقہ و خیرات کا حکم دیتا.. انھیں اس کی خوب ترغیب دلاتا.. اور جب وہ اسے بکثرت صدقہ و خیرات جمع کروا دیتے تو وہ ان اموال کو اپنے لیے خاص کر لیتا اور خود ان پر سانپ بن کر بیٹھ جاتا، فقرا و مساکین کو نہ دیتا.. ایسی ہی دیگر وجوہات کی بنا پر سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کو اس سے سخت نفرت ہوگئی.. لیکن وہ اس کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں کہہ سکتے تھے.. کیونکہ بشپ کی لوگوں کے یہاں بڑی قدر و منزلت ہوتی ہے.. جبکہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ

---

① عیسائی مذہب کے راہنماؤں میں چھوٹے درجے کے پادری کو قسیس، درمیانے درجے کے پادری کو اسقف (بشپ) اور اُس سے بڑے درجے والے کو مطران کہا جاتا ہے۔ (مترجم)

ایک تو اجنبی تھے.. دوسرے یہ کہ ابھی نئے نئے ہی ان کے دین میسحیت میں داخل ہوئے تھے..

تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ وہ بشپ مرگیا..اس کی قوم اس کی موت پر بہت غمزدہ ہوئی..سب لوگ جمع ہوگئے تاکہ غسل وتکفین کے بعد اسے دفن کریں۔

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے جب ان لوگوں کے حزن و ملال اورغم کی یہ کیفیت دیکھی تو کہنے لگے:

تمھارا یہ بشپ کوئی اچھا آدمی نہیں تھا.. بلکہ یہ عیسائیت کے علماے سوء میں سے تھا.. وہ تمھیں صدقہ کرنے کا حکم دیتا اور تمھیں اس کی خوب ترغیب دلاتا..لیکن جب تم مال و دولت لاکر اس کے پاس جمع کروا دیتے تو وہ اسے اپنا ذاتی خزانہ بنا لیتا تھا.. اور فقرا و مساکین کو اس میں سے کچھ بھی نہیں دیا کرتا تھا..لوگوں نے پوچھا: تمھارے پاس اس کا ثبوت کیا ہے؟

انھوں نے جواب میں فرمایا: میں تمھیں اس کے خزانے کا پتا دیتا ہوں..

انھوں نے لوگوں کو اپنے ساتھ لیا اور اس جگہ جا ٹھہرے جہاں اس نے وہ خزانہ چھپا رکھا تھا.. لوگوں نے اس جگہ کو کھودا تو وہاں سے سات بڑے بڑے برتن نکلے جو سونے اور چاندی سے بھرے ہوئے تھے..

اب لوگوں نے کہنا شروع کر دیا:

اللہ کی قسم! ہم اسے دفن نہیں کریں گے.. پھر انھوں نے واقعی اسے لکڑی پر سولی چڑھا دیا اور پتھر مار مار کر سنگسار کر دیا..

اس کے بعد وہ لوگ ایک دوسرے شخص کو لائے اور اس بشپ کی جگہ اسے کنیسہ میں متعین کر دیا..سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اس

نئے بشپ کو بڑا ہی عبادت گزار پایا۔ وہ دنیا سے بے رغبت اور آخرت کا طلبگار تھا.. اس کے شب و روز عبادت ہی میں گزرتے تھے۔ میں اس سے اتنی محبت کرنے لگا کہ میرے خیال میں مَیں نے اس قدر محبت کبھی کسی سے نہیں کی تھی۔

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ مسلسل اس کی خدمت کرتے رہے.. حتیٰ کہ وہ بہت بوڑھا ہوگیا اور بالآخر اسے موت کے پنجے نے آدبوچا۔ وہ اس کے فراق پر بہت ہی حزین و غمگین ہوئے اور انھیں اس بات کا خدشہ لاحق ہوگیا کہ پتا نہیں.. اس کے بعد وہ اس کے دین پر قائم رہ سکیں گے یا نہیں..؟

بشپ کے مرنے سے پہلے انھوں نے اس سے پوچھا:

آپ دیکھ رہے ہیں کہ تمھارے لیے امرِ الٰہی (وقتِ وفات) تو پہنچ ہی چکا ہے.. مجھے بتاؤ کہ اب میں کس کا دامن تھاموں؟

اس نے کہا:

بیٹا! اللہ کی قسم! میں کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو میرے عقائد و اعمال والا ہو.. لوگوں نے دین کو بدل دیا ہے.. وہ ہلاکت میں مبتلا ہوگئے ہیں.. اور انھوں نے بکثرت اپنے معتقدات و احکام کو ترک کر دیا ہے.. ہاں! صرف موصل شہر (عراق) میں ایک آدمی ایسا ہے جس کا عقیدہ و عمل مجھ جیسا ہے.. وہ فلاں نام کا آدمی ہے.. تم فوراً اس کے پاس چلے جاؤ..

جب یہ عابد و زاہد آدمی فوت ہوگیا تو سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ شام سے نکل گئے اور عراق جاکر موصل کے اس شخص سے جا ملے۔ اب انھوں نے اس کے پاس اقامت اختیار کرلی اور تب تک وہیں رہے، جب تک وہ شخص فوت نہیں

ہوگیا.. لیکن اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اس عیسائی راہب نے سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ نصیبین (شام) کے علاقے میں مقیم فلاں شخص کے پاس چلے جاؤ..

انھوں نے ایک بار پھر شام کی طرف رختِ سفر باندھ لیا اور نصیبین والے شخص سے جا ملے۔ ایک عرصہ تک اسی کے یہاں سکونت اختیار کیے رہے یہاں تک کہ اسے بھی موت آ گئی اور مرنے سے پہلے اس نے وصیت کی کہ عموریہ (شام) میں مقیم فلاں راہب کے پاس چلے جائیں..

وہ عموریہ چلے گئے اور وہاں کے راہب کے پاس سکونت اختیار کرلی۔ انھوں نے کام کاج بھی کیا حتی کہ وہ گائیوں اور بکریوں کے ریوڑوں کے مالک بن گئے۔ کچھ عرصہ گزرا تو یہ عابد راہب بھی بیمار ہو گیا اور اسے بھی موت آ گئی۔

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ اس پر بہت غمزدہ ہوئے اور اسے الوداع کرتے ہوئے فرمایا:

''اے بھلے شخص! اب تم مجھے کس کے پاس جانے کی وصیت کرتے ہو؟''

اس نیک آدمی نے کہا:

اے سلمان! اللہ کی قسم! مجھے نہیں لگتا کہ اس وقت لوگوں میں سے کوئی ہماری سطح کا ہو کہ جس کے پاس آپ جائیں.. اس کی مراد یہ تھی کہ لوگ بدل چکے ہیں اور انھوں نے دین میں تحریف کر دی ہے۔

پھر اس نے کہا:

ہاں! ایک نبی کی بعثت کا وقت آن پہنچا ہے.. جو ابراہیم علیہ السلام کے دینِ حنیف کے ساتھ مبعوث ہوگا۔ وہ سرزمینِ عرب سے اٹھے گا اور پھر اپنے شہر (مکہ مکرمہ)

سے ہجرت کر کے اس علاقے میں جائے گا جو دو سیاہ پتھریلی وادیوں کے درمیان ہے.. وہاں کھجوریں بکثرت ہوتی ہیں.. اس نبی کی کچھ علامتیں ہوں گی جو کسی سے پوشیدہ نہ رہ سکیں گی۔ وہ ہدیہ تو کھا لیں گے لیکن صدقہ کی کوئی چیز نہیں کھائیں گے۔ ان کے دونوں کندھوں کے درمیان مہرِ نبوت ہو گی.. جب آپ انھیں دیکھیں گے تو پہچان لیں گے۔ اگر آپ اس ملکِ عرب تک پہنچ سکتے ہیں تو پہنچ جائیں.. پھر وہ صالح شخص بھی فوت ہوگیا اور اسے دفن کر دیا گیا۔

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ جب تک اللہ نے چاہا عموریہ میں رکے رہے.. اب وہ کسی ایسے شخص یا قافلے کی تلاش میں تھے جو انھیں اپنے ساتھ سرزمینِ نبوت پر لے جائے.. وہ مسلسل اسی انتظار میں تھے کہ ایک دن قبیلہ بنو کلب (حجاز) کے لوگوں کا وہاں سے گزر ہوا جو تجارت پیشہ تھے۔ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے ان سے مطالبہ کیا کہ وہ انھیں اپنے ساتھ اپنے ملک لے جائیں اور اس کے عوض میں وہ انھیں اپنی گائیاں اور بکریاں دے دیں گے..

انھوں نے اس کی حامی بھر لی۔ اس پر سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنی گائیاں بکریاں انھیں دے دیں اور وہ انھیں اپنے ساتھ لے آئے.. جب وہ لوگ وادی القریٰ پہنچے تو ان کے دل میں لالچ و طمع نے گھر کر لیا.. انھوں نے ان پر ظلم ڈھایا.. اور یہ دعویٰ کرنے لگے کہ یہ ان کا زرخرید غلام ہے.. اس لیے انھوں نے انھیں ایک یہودی کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ اپنا دفاع نہ کر سکے اور اس یہودی کے پاس ایک غلام کی حیثیت سے خدمت کرنے لگے... حتیٰ کہ ایک دن اس یہودی کے پاس

مدینہ منورہ کے یہودی قبیلہ بنی قریظہ کا ایک آدمی آیا جو اس یہودی کا چچازاد (چچیرا) بھائی تھا۔ اس نے سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کو خرید لیا اور اپنے ساتھ مدینہ منورہ لے گیا۔

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے جب مدینہ منورہ، اس کی کھجوروں اور اس کے پتھروں کو دیکھا تو انھیں یقین ہو گیا کہ وہ ارضِ نبوت جس کے اوصاف عموریہ کے راہب نے بیان کیے تھے.. وہ یہی ہے۔ اب وہ اطمینان کے ساتھ وہاں رہنے لگے اور منصبِ رسالت پر فائز ہونے والی شخصیت کا انتظار کرنے لگے.. کئی سال اسی طرح گزر گئے.. اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا.. آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مدت (تیرہ سال) تک مکہ مکرمہ میں بحیثیت نبی سکونت پذیر اور دعوت و تبلیغ کرتے رہے.. اس سارے عرصے میں سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر تک نہ سنا.. اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے یہودی مالک کی خدمت میں شب و روز ہمہ تن مصروف رہا کرتے تھے..

پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی.. آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف فرما تھے مگر سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کوئی خبر نہ تھی.. ایک دن وہ اپنے مالک کے نخلستان میں ایک کھجور پر چڑھ کر کام کاج میں مصروف تھے.. ان کا مالک بھی اسی کھجور کے نیچے بیٹھا تھا کہ اس کے چچازاد بھائیوں (قبیلے) میں سے ایک یہودی شخص وہاں آیا اور اس کے پاس کھڑے ہو کر اس نے کہنا شروع کیا:

ارے بھئی! اللہ تعالیٰ بنی اوس اور بنی خزرج کے لوگوں کو غارت کرے.. وہ سب قبا میں ایک شخص کے اردگرد جمع ہیں.. جو مکہ مکرمہ سے آیا ہے

اور اس کا دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کا نبی ہے..

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کا یہ بات سننا ہی تھا کہ ان کے سارے بدن نے جُھر جُھری لی.. ان پر سنسنی چھا گئی.. خوشی سے ان کا دل اچھل کر فضا میں اڑنے لگا.. وہ کھجور پر کانپ کر رہ گئے اور قریب تھا کہ وہ گر ہی پڑیں مگر انھوں نے اپنے آپ کو سنبھالا.. فوراً کھجور سے نیچے اتر آئے اور چلّا چلّا کر اس آدمی سے پوچھنے لگے:

تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم یہ کیا خبر دے رہے ہو؟

ان کا مالک اس کیفیت کو دیکھ کر ان پر بگڑ پڑا، اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور کھینچ کر زور دار تھپڑ ان کے منہ پر دے مارا.. اور کہا:

تمھیں اس آدمی سے کیا غرض ہے؟ تمھیں اس خبر میں کیوں دلچسپی ہے؟ جاؤ اور اپنے کام سے کام رکھو..!

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ خاموش ہوکر رہ گئے اور دوبارہ کھجور پر چڑھ کر اپنا کام کرنے لگے۔ یوں تو وہ کام میں لگے ہوئے تھے.. مگر ان کا دل نبوت والی خبر ہی میں اٹکا ہوا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ جلد از جلد اس نبی سے ملاقات کریں.. اور عموریہ والے راہب نے ان کے جو اوصاف بیان کیے تھے.. ان کی تصدیق کرلیں:

''وہ ہدیہ تو قبول کرلیں گے لیکن صدقہ نہیں کھائیں گے۔ ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت ہوگی۔''

جب رات ہوئی تو انھوں نے اپنے پاس موجود کھانے پینے کی تمام اشیا جمع کیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے چل دیے۔ وہ اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے جب آپ ﷺ قبا میں ایک جگہ بیٹھے تھے.. سلمان رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی اقامت گاہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ لوگوں کی ایک خاصی تعداد آپ ﷺ کے ارد گرد جمع ہے۔

انھوں نے اندر داخل ہوتے ہی کہنا شروع کر دیا کہ مجھے خبر پہنچی ہے، آپ لوگ اس جگہ اجنبی ہیں.. ضرورتمند بھی ہیں اور میرے پاس کھانے پینے کی یہ چیزیں تھیں جنھیں میں نے صدقہ کرنے کی نیت سے رکھا ہوا تھا.. اب یہ میں اسی غرض سے لے کر آیا ہوں.. پھر سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے وہ اشیا نبی اکرم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش کر دیں اور خود ایک طرف ہو کر یہ دیکھنے کے لیے بیٹھ گئے کہ آپ ﷺ ان اشیا کے ساتھ کیا کرتے ہیں؟

نبی اکرم ﷺ نے کھانے پینے کی اشیا دیکھیں اور پھر اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف توجہ مبذول کی اور ارشاد فرمایا:

آپ لوگ کھالیں.. لیکن خود آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ نہیں بڑھایا اور اس میں سے کچھ نہیں کھایا..

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے جب یہ منظر دیکھا تو دل ہی دل میں کہنے لگے: اللہ کی قسم! مبعوث ہونے والے نبی کے اوصاف میں سے ایک تو یہی ہے کہ ''وہ صدقہ نہیں کھائیں گے۔''

اب دوسرے دو اوصاف کی تصدیق کرنا رہ گیا ہے.. پھر وہ واپس اپنے مالک کے پاس ہی لوٹ گئے۔

چند دنوں کے بعد انھوں نے کھانے پینے کی کچھ چیزیں پھر سے اکٹھی کیں اور نبی ﷺ کی خدمت میں چلے گئے.. آپ ﷺ کو سلام عرض کیا اور

یوں عرض گزار ہوئے:

میں نے دیکھا ہے کہ آپ ﷺ صدقہ کی چیز نہیں کھاتے.. لیکن یہ چیزیں تو ہدیہ ہیں، جنھیں میں آپ ﷺ کے اعزاز و اکرام کے لیے لایا ہوں اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ صدقہ نہیں ہے، یہ کہتے ہوئے انھوں نے وہ اشیا نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیں..

نبی اکرم ﷺ نے اپنا دستِ مبارک آگے بڑھایا اور اس میں سے کچھ تناول فرمایا.. آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی حسبِ منشا کچھ کھایا.. جب سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا تو دل ہی دل میں پکار اُٹھے کہ نبی مبعوث کی صفات میں سے یہ دوسری صفت بھی آپ ﷺ میں موجود ہے۔ اب صرف ایک چیز باقی رہ گئی ہے اور وہ یہ کہ آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہرِ نبوت دیکھ لیں..

لیکن یہ ان کے لیے آسانی سے کہاں ممکن تھا.. سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ پھر اپنے مالک کے پاس لوٹ آئے.. لیکن ان کا دل نبی اکرم ﷺ کے بارے میں صحیح خبر پانے کا منتظر تھا۔ انھوں نے کچھ دن انتظار کیا اور پھر نبی اکرم ﷺ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

اس مرتبہ انھوں نے آپ ﷺ کو مدینہ منورہ کے قبرستان بقیع الغرقد میں پایا.. آپ ﷺ ایک انصاری صحابی کے جنازے کے ساتھ وہاں تدفین کے لیے رکے ہوئے تھے.. سلمان رضی اللہ عنہ جب وہاں پہنچے تو آپ ﷺ کے اردگرد صحابہ رضی اللہ عنہم کو پایا۔

نبی اکرم ﷺ کے لباس کی کیفیت یہ تھی کہ آپ ﷺ دو چادریں

زیبِ تن کیے ہوئے تھے۔ ایک تہبند کے طور پر باندھ رکھی تھی اور دوسری کُرتے کی جگہ اوڑھے ہوئے تھے.. جس طرح احرام باندھا جاتا ہے۔

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے سلام عرض کیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر (شانوں کے درمیان) اپنی نگاہوں کو مرکوز کر دیا کہ شاید انھیں وہ مہرِ نبوت نظر آجائے جو ان کے عموریہ والے راہب نے بتائی تھی۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے اردگرد گھومتے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندازہ لگا لیا کہ یہ شخص کس چیز کو دیکھنا اور اس کے بارے میں یقین حاصل کرنا چاہتا ہے.. جو اسے بتائی گئی ہے.. نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کندھوں کو حرکت دی اور جان بوجھ کر اپنی پُشت سے چادر گرا دی.. سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے مہرِ نبوت اپنی آنکھوں سے دیکھ کر یقین کر لیا۔ چنانچہ وہ فوراً لپکے اور اسے چومنے کے ساتھ ساتھ زار و قطار رونے لگے..

ان کی یہ کیفیت دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں حکم فرمایا کہ آگے کی طرف آؤ اور میرے سامنے آکر بیٹھ جاؤ۔ وہ آگے کی طرف آئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رخِ انور کے سامنے ہوگئے۔ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ماجرا پوچھا.. جس پر انھوں نے اپنی ساری کہانی کہہ سنائی۔

انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ میں ایک مالدار و خوشحال نوجوان تھا.. میں نے تلاشِ حق اور دولتِ ایمان کے حصول کی خاطر تمام عزت و اقتدار کو لات مار دی تھی.. میں یہودی راہبوں کے پاس یکے بعد دیگرے منتقل ہوتا رہا.. ان کی خدمت کرتا اور ان سے دین کی تعلیم حاصل کیا کرتا تھا.. بالآخر معاملہ یہ ہوا کہ میں مدینہ منورہ کے ایک یہودی کے یہاں زرخرید غلام کی حیثیت سے

خدمت پر مامور کر دیا گیا..

اب سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف عقیدت و احترام سے دیکھنا شروع کیا.. ان کی آنکھوں سے فرطِ محبت کی بنا پر ٹپ ٹپ آنسو بہہ رہے تھے.. جو ان کے رخساروں کو بھگوتے ہوئے زمین پر گر رہے تھے۔

وہ انتہائی فرحت و مسرت سے مالا مال اور بشارت و خوشی سے دو چار تھے.. پھر وہ اسلام لائے.. کلمۂ شہادت پڑھا اور پھر اپنے یہودی مالک کے پاس چلے گئے۔ اس یہودی نے کام کاج اور خدمت کا بوجھ مزید بڑھا دیا.. صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کا شرف لوٹتے.. لیکن وہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہونے کی وجہ سے اس شرف و سعادت سے محروم رہتے.. حتیٰ کہ انھیں غزوۂ بدر و معرکۂ اُحد میں شرکت کا اعزاز بھی نہ مل سکا .. نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا:

اے سلمان! اپنے مالک سے حصولِ آزادی کا معاوضہ اور ادا کرنے کی شرائط طے کر لو۔ یعنی طے شدہ قیمت کے عوض اپنی آزادی کا سودا کر لو اور اپنے آپ کو اس یہودی سے آزاد کرا لو..

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے اپنے مالک سے اس سلسلے میں بات کی تو اس نے ان کی آزادی کی قیمت بہت زیادہ بڑھا دی.. اس نے چالیس اوقیہ چاندی (سولہ سو درہم) کے علاوہ یہ شرط عائد کر دی کہ کھجور کے تین سو پودے جمع کریں.. انھیں زمین میں لگائیں اور ان کی آبیاری کریں.. اور ساتھ ہی اس نے یہ بھی شرط لگا دی کہ وہ تین سو کے تین سو پودے ہرے بھرے ہو کر بڑھنے بھی لگیں گے تو پھر میں تمھیں آزاد کروں گا ..!

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے جب یہودی کے طلب کردہ اس معاوضے اور شرائط کا تذکرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم فرمایا کہ اپنے بھائی کو آزادی دلوانے کے لیے کھجور کے پودوں سے اس کی مدد کرو.. مسلمانوں نے ان کے ساتھ بھرپور تعاون کیا.. ہر شخص اپنے اپنے نخلستان میں گیا اور حسبِ استطاعت کھجور کے پودے لے آیا.. جب تین سو پودے جمع ہو گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

اے سلمان! اب جاؤ اور پودوں کو لگانے کے لیے زمین کھودو... اور جب پودے لگانے کا وقت آئے تو تم خود پودے نہ لگانا.. بلکہ مجھے آکر بتاؤ کہ پودے لگانے کے لیے گڑھے تیار ہیں۔ سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ نے گڑھے تیار کرنا شروع کر دیے.. صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ گڑھے بنانے میں ان کی مدد کی.. یہاں تک کہ تین سو پودوں کی شجر کاری کے لیے تین سو گڑھے کھودے گئے۔ پھر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ شجر کاری کے لیے گڑھے تیار ہیں.. نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ ہی روانہ ہو گئے اور مقامِ شجر کاری پر تشریف لے آئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کھجور کے پودے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کرنا شروع کیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے وہ پودے گڑھوں میں بوتے گئے..

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے.. ان پودوں میں سے کوئی ایک بھی پودا سوکھا.. نہیں بلکہ تین سو کے تین سو ہی ہرے بھرے ہو کر چل پڑے.. جب انھوں نے یہ کھجوریں اس یہودی کو دے دیں تو اب نقد رقم باقی رہ گئی تھی.. ایک دن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے

پاس بعض غزوات سے مالِ غنیمت کے طور پر کچھ سونا آیا.. آپ ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

اس فارسی غلام نے اپنی آزادی کے پروانہ کے لیے جو معاہدہ کر رکھا تھا، اس سلسلے میں اس نے کیا کیا ہے؟

اور پھر فرمایا: یہ سونا اسی کے لیے رہنے دو..

سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ جب آئے تو نبی اکرم ﷺ نے سے مخاطب ہوکر فرمایا:

اے سلمان! یہ سونا لے جاؤ اور اپنے معاہدۂ آزادی میں لکھی رقم ادا کر دو..

سیدنا سلمان ﷺ نے وہ سونا لے لیا اور اس سے اس یہودی کی مطلوبہ رقم ادا کر دی اور آزادی حاصل کر لی .. اس دن کے بعد سے لے کر یومِ وفات تک وہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اور آپ ﷺ کے لطف صحبت شرفِ یاب ہوتے رہے..۔

(مسند أحمد: ٧/ ٦١٣، حديث: ٢٣٣٨٥، ٧/ ٨٨٢، حديث: ٢٤١٣٨، ماوردی نے "أعلام النبوة" [ص: ٣٣٧] میں اس کے رواۃ کو صحیح کے رواۃ قرار دیا ہے، مجمع الزوائد: (٩/ ٣٣٦) سير أعلام النبلاء (١/ ٥١٠) شعيب الأرناؤوط نے بھی اس کی سند کو قوی قرار دیا ہے)

16 گناہ کی چابی

کسی نے مجھ سے کہا:

میرا ایک بہت ہی گہرا دوست تھا.. جو میرے لیے میرے بھائی کی جگہ تھا.. وہ پچھلے ہفتے اچانک ایک حادثہ (TRAFFIC ACCIDENT) میں مارا گیا ہے.. اللہ سے میری دعا ہے کہ وہ اس پر رحم فرمائے اور اس کے افعال پر اس سے درگزر فرمائے.. مشکل یہ نہیں کہ وہ مر گیا ہے.. کیوں کہ ہم سبھی کو ایک دن مرنا ہے..

مشکل یہ ہے کہ ہمارا وہ دوست انٹرنیٹ کا بڑا تجربہ کار تھا.. وہ بے حیائی و اباحیت پر مشتمل عریانی بردوش مواقع (WEB SITES) اور ننگی تصویروں پر مشتمل مقامات و سائٹس کے انکشاف کی بڑی مہارت رکھتا تھا.. بلکہ اس نے اباحیت بردوش اپنی ایک سائٹ تیار کر رکھی تھی جو عریاں تصویروں اور فلموں پر مشتمل تھی.. بلکہ اس کے سرکل میں ایسے لوگوں کا ایک گروپ تھا جو اس کی سائٹ میں رجسٹرڈ تھے.. وہ ان کے ای۔میل ایڈریس پر موقع بہ موقع نئ سے نئ عریاں گندی تصویریں اور فلمیں بھیجا کرتا تھا..

وہ شخص اچانک مر گیا.. اور اب مصیبت یہ ہے کہ ہم اس کی سائٹ کا

سیکرٹ نمبر (Password) نہیں جانتے کہ اسے بند کرسکیں یا کوئی بھی چارہ سازی کرسکیں.. میں انھی باتوں کے بارے میں سوچ رہا تھا.. اور ساتھ ہی ساتھ مسجد میں اس کی نمازِ جنازہ ادا کرنے کا بھی انتظار کر رہا تھا۔ میں جنازے کے ساتھ چل کر مسجد تک گیا تھا.. وہ دوسروں کے کندھوں پر اٹھائی ہوئی لاش کی شکل میں تھا.. میں سوچ رہا تھا کہ اب وہ اپنی قبر میں جاکر کیا دیکھے گا..؟ کیا وہ ان عریاں تصویروں کا سامنا کرے گا..؟ ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾

نمازِ جنازہ کے بعد اب ہم قبرستان پہنچ چکے تھے جہاں ہر طرف انتہائی وحشت ناک قبریں ہی قبریں تھیں.. لوگوں کا اس کے قریب ایک ہجوم تھا.. میں نے جھانک کر ایک نظر اس کی قبر میں دیکھا.. آہ..! اس میں اس کی کیا حالت ہوگی؟ بعض لوگوں کو میں نے روتے دیکھا..

میں نے دل ہی دل میں سوچا.. ان لوگوں کا رونا بھلا اسے کوئی فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ ہم نے اسے دفن کر دیا.. پھر ہم اسے اس اندھیری قبر میں اکیلے چھوڑ کر چل دیے.. اس کے اہل وعیال اور دولت سب واپس لوٹ گئے۔ اب اس کے ساتھ صرف اس کا اپنا عمل ہی رہ گیا تھا..!

آپ کیا جانیں کہ اس کا عمل کیا تھا؟ اس کی والدہ نے خواب میں دیکھا کہ کچھ لڑکے اس کی قبر پر جا جاکر پیشاب کر رہے ہیں.. وہ اپنے اس خواب کی تعبیر پوچھ رہی تھی.. وہ بے چاری کیا جانے در پردہ اس کا بیٹا کیا گل کھلایا کرتا تھا..؟

میں نے بھی اس خواب کے بارے میں سنا.. میں نے اپنے دل ہی دل میں کہا:

یہ خواب کسی تعبیر کا محتاج نہیں.. اس کا مطلب تو بالکل واضح ہے.. یہ لڑکے جو اس کی قبر پر جا کر پیشاب کر رہے ہیں یہ وہی ہیں جنھیں وہ تصویریں اور فلمیں بھیجا کرتا تھا.. پھر انھوں نے وہ تصویریں آگے ان لوگوں کو بھیجنا شروع کر رکھا تھا جنھیں وہ جانتے تھے.. کس قدر بھیانک معاملہ ہے! وہ شخص ان لوگوں کے گناہوں کو کیسے برداشت کرے گا؟ کیوں کہ حدیث میں ہے:

«مَنْ دَعَا اِلٰی ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْوِزْرِ مِثْلَ أَوْزَارِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا يُنْقِصُ ذٰلِكَ مِنْ أَوْزَارِهِمْ شَيْئاً»

(مختصر صحیح مسلم: ٦٠ ١٨)

''جس نے کسی کو گمراہی پر لگایا.. اسے بھی اتنا ہی گناہ اور عذاب ہوگا جتنا اس پر چلنے والے کو ہوگا اور یہ چیز ان لوگوں کے گناہ و عذاب میں کوئی کمی نہیں کرے گی۔''

میں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ اپنے اس فوت شدہ دوست پر نیکی کروں اور اس کے بوئے ہوئے شر کے پودے کو کاٹ دوں.. چنانچہ اس کے لیے میں نے اس سائٹ کی میزبان کمپنی سے رابطہ کیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ اس میں اشتراک (SUBSCRIPTION) بند کر دیں.. لیکن انھوں نے اس سلسلے میں کوئی بھی قدم اٹھانے سے معذرت کر لی..

بلکہ انھوں نے میری بات کا یقین ہی نہیں کیا کہ وہ آدمی مر چکا ہے.. کیونکہ میں اس کے وہ سیکرٹ نمبر ہی نہیں جانتا تھا جن سے اس نے وہ سائٹ بُک کروا رکھی تھی.. میں بہت چیخا.. چلّایا، خوب شور مچایا کہ لوگو! وہ آدمی مر چکا ہے.. لیکن ان میں سے کوئی بھی میری اس بات پر کان دھرنے کو تیار نہ ہوا..

میں بیٹھ کر اس کی حالت کے بارے میں سوچنے لگا۔

مجھے نبی اکرم ﷺ کا وہ ارشاد یاد آ گیا، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے:

《اِنَّ مِنَ النَّاسِ نَاساً مَفَاتِيُحَ لِلُخَيُرِ وَمَغَالِيُقَ لِلُشَرِّ، وَاِنَّ مِنَ النَّاسِ نَاساً مَفَاتِيُحَ لِلشَّرِّ وَ مَغَالِيُقَ لِلُخَيُرِ، فَطُوُبٰى لِمَنُ جَعَلَ اللّٰهُ مَفَاتِيُحَ الُخَيُرِ عَلٰى يَدَيُهِ وَوَيُلٌ لِّمَنُ جَعَلَ اللّٰهُ مَفَاتِيُحَ الشَّرِّ عَلٰى يَدَيُهِ》 (صحيح الجامع: ٢٢٢٣)

''لوگوں میں سے بعض خیر و بھلائی کا دروازہ کھولنے کی چابیاں اور برائی کی راہ روکنے والے ہوتے ہیں اور بعض دوسرے لوگ برائی کا دروازہ کھولنے کی چابیاں اور خیر و بھلائی کی راہ روکنے والے ہوتے ہیں۔ بشارت و خوشخبری ہے ان لوگوں کے لیے جن کے ہاتھوں کو اللہ خیر و بھلائی کے دروازے کھولنے کی چابیاں بنا دے اور ہلاکت و بربادی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے ہاتھوں کو اللہ برائی کی راہیں کھولنے کا ذریعہ بنا دے۔''

میرا خیال ہے کہ وہ ایسے ہی لوگوں میں سے ایک تھا.. میں نے اسے بہت ٹوکا اور بہت منع کیا تھا.. اسے کہا تھا کہ تم دوسرے لوگوں کے گناہ کیسے اٹھاؤ گے؟ تم گناہ کی چابی کیوں بنتے ہو؟ قیامت کے دن تم دوسرے لوگوں کے گناہوں کا بوجھ کیسے اٹھاؤ گے؟.. لیکن وہ میری کسی بھی بات کا کوئی اثر نہیں لیتا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ وہ نوجوان ہے، وہ تو صرف کھیل تماشا کرنا اور رنگ رلیاں منانا چاہتا ہے.. اور یہ سارے امور محض دل لگی اور وقت گزاری کے لیے ہیں۔

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ.. کتنے ہی ایسے نوجوان ہیں جنھوں نے عریاں تصویریں (فلمیں) دیکھیں اور بالآخر وہ فحاشی و زنا کاری میں مبتلا ہوگئے۔ اسی طرح کتنی ہی دوشیزائیں ہیں جو ایسی ہی برائیوں میں مبتلا ہوگئیں۔ وہ شخص تو مرگیا ہے.. لیکن قیامت کے دن اس سے ہر ہر نظر کے بارے میں جواب دہی ہوگی کہ اس نے ان سے کیا کیا دیکھا.. اور دوسرے تمام لوگوں سے بھی پوچھ گچھ ہوگی.. ہر ہر فحاشی و زنا کاری پر مواخذہ ہوگا جن میں وہ مبتلا ہوا اور دوسرے لوگ مبتلا ہوئے.. اور ہر ہر تصویر (اور فلم) پر بھی پکڑ ہوگی جن کی اس نے نشر و اشاعت کی یا دوسرے ان کی ترویج و توسیع کا باعث بنے..

مجھے نہیں معلوم کہ وہ کب تک اور کہاں تک دوسرے لوگوں کے گناہوں کو بھی اٹھانے پر مجبور ہوگا.. لیکن کاش! اللہ اس کے گناہوں سے درگزر فرمائے.. وَحَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ.

17 بارانِ رحمت کے نزول میں رکاوٹ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بنی اسرائیل سخت قحط سالی میں مبتلا ہو گئے۔ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جمع ہوگئے اور انھوں نے عرض کیا:

اے اللہ کی ہم کلامی کا شرف پانے والے پیغمبر! اپنے رب سے ہمارے لیے دعا مانگیں کہ وہ بارش برسا کر ہمیں پانی سے نوازے..

حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک صحرا کی طرف نکل گئے۔ اس وقت وہاں ان کی تعداد ستر ہزار یا اس سے بھی زیادہ تھی.. وہ سب اللہ کے حضور اکٹھے ہوگئے اور دعائیں مانگنے لگے.. وہ پراگندہ بال اور فقیرانہ حال میں تھے.. بھوکے اور پیاسے بھی تھے۔

حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے بھی یوں دعا مانگنا شروع کیا:

''یا الٰہی! ہمیں بارش عطا فرما.. ہم پر اپنی رحمتیں نازل کر اور شیر خوار بچوں،
بے زبان جانوروں اور خمیدہ کمر بوڑھوں کی بدولت ہم پر رحم فرما..''

آسمان سے پانی کی بوند تک نہ گری.. بلکہ الٹی قحط سالی بڑھی اور سورج کی تمازت و حرارت میں تیزی آ گئی..

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر دعا مانگی: اے اللہ! ہمیں بارانِ رحمت سے نواز!..

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا:

تمھیں بارشوں سے کیوں نوازوں.. جبکہ تمھارے درمیان ایک ایسا شخص ہے جو چالیس برس سے گناہوں میں مبتلا مجھے کھلا چیلنج دے رہا ہے..لوگوں میں اعلان کریں کہ وہ شخص تمھارے درمیان سے باہر نکل جائے کیونکہ اسی کے سبب میں نے تم سے بارشیں روک رکھی ہیں..

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم میں اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

''اے نافرمان شخص! جو چالیس سالوں سے اللہ کی معصیت اور نافرمانی کرکے اسے چیلنج کر رہا ہے.. ہمارے مابین سے اٹھ کر نکل جاؤ..صرف تیری وجہ سے ہم سب سے بارشیں روک دی گئی ہیں..''

اس نافرمان بندے نے اپنے دائیں بائیں دیکھا..مگر کسی کو اس اجتماع سے باہر جاتے نہ پایا..اب اسے یقین ہو گیا کہ خود وہی مطلوب ہے..!

اس نے اپنے دل میں کہا:

اگر میں ان تمام لوگوں میں سے اٹھ کر باہر نکل جاؤں تو پورے بنی اسرائیل کی نظر میں ذلیل و رسوا ہو جاؤں گا.. اور اگر میں شرم کے مارے بیٹھا رہا تو میری وجہ سے یہ سب لوگ بارشوں سے محروم رہیں گے.. وہ یہ سوچ کر بہت ہی شکستہ دل ہوا.. اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے..اس نے اپنے افعال پر ندامت کی وجہ سے اپنا منہ اپنے کپڑوں (گریبان) میں چھپا لیا اور اللہ کے حضور یوں عرض گزار ہوا:

''یا الٰہی! اے میرے آقا و مولیٰ! میں نے چالیس سال تک تیری نافرمانی کی..اس کے باوجود تو نے میری پردہ پوشی کی اور مجھے مہلت

دیے رکھی.. اب میں سرِتسلیم خم کیے تیرا مطیع و فرماں بردار بن کر تیرے
دربار میں حاضر ہوگیا ہوں.. میری اس حاضری کو قبول فرما..''

اب اس نے اپنے خالق و مالک کے سامنے گریہ و زاری کرنا شروع کردی.. وہ ابھی اپنی بات پوری بھی نہیں کر پایا تھا کہ بادلوں کا ایک سفید ٹکڑا اٹھا، آسمان کے وسط میں بلند ہوا اور اس نے یوں زور دار بارش برسانا شروع کر دی جیسے مشکیزوں کے منہ کھل گئے ہوں..

حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر تعجب میں مبتلا ہوگئے اور اپنے رب سے مخاطب ہو کر کہنے لگے:

''اے اللہ! تو نے ہمیں بارش عطا فرما بھی دی ہے.. جبکہ ہمارے
مابین سے کوئی بھی آدمی اٹھ کر باہر نہیں گیا..''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اے موسیٰ! میں نے اسی شخص کے اشک ہائے ندامت کی بدولت آپ کو بارش عطا کی ہے جس کی نافرمانیوں کے سبب ہم نے بارش روک رکھی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: یا الٰہی! وہ مطیع و فرماں بردار بندہ مجھے بھی دکھلا دے..!

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اے موسیٰ! میں نے اپنے اس بندے کو اس وقت تو ذلیل و رسوا نہیں کیا تھا جب وہ میری نافرمانیاں کیا کرتا تھا.. کیا میں اسے لوگوں کے سامنے اب رسوا کر دوں جبکہ وہ میرا مطیع و فرماں بردار بن کر میرے سامنے سرِتسلیم خم کر چکا ہے؟

18 جرأت مندانہ فیصلہ

سیدنا طفیل بن عَمرو دَوسی رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ بنو دوس کے محبوب سردار تھے.. تمام لوگ ان کی بات سنتے اور ان کی اطاعت و فرماں برداری کرتے تھے.. وہ ایک دن کسی ضرورت سے مکہ مکرمہ آئے.. جب شہر میں داخل ہوئے تو سردارانِ قریش نے انھیں دیکھا اور ان کے گرد جمع ہو گئے..

انھوں نے ان سے پوچھا: تم کون ہو؟

انھوں نے بتایا کہ میں قبیلہ بنی دوس کا سردار طفیل بن عَمرو ہوں.. انھوں نے آپس میں ایک دوسرے کو معنی خیز نگاہوں سے دیکھا.. وہ اس بات سے ڈرنے لگے کہ اسے اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا تو وہ اسے اسلام کی دعوت دیں گے اور تبلیغ کریں گے..اور اگر یہ سردار ایمان لے آیا اور مشرف بہ اسلام ہوگیا تو اس کی بدولت اسلام قوت اختیار کر جائے گا۔ وہ سب ان کے چاروں طرف اکٹھے ہوگئے..

ان میں سے ایک نے کہا:

یہاں مکہ میں ایک ایسا آدمی ہے جو اپنے آپ کو نبی سمجھتا ہے۔تم اس کے پاس بیٹھنے اور اس کی کوئی بات سننے سے بچ کر رہنا۔ وہ جادوگر ہے..اگر

تم نے اس کی بات سن لی تو سمجھ لیں کہ وہ تمھاری عقل کو لے ڈوبے گا۔

ان میں سے ایک دوسرا سردار گویا ہوا اور اس نے بھی پہلے جیسی ہی باتیں کیں.. تیسرے نے ان دونوں سے بھی کچھ زیادہ باتیں کیں.. ان سب نے نبی اکرم ﷺ کے خلاف خوب پروپیگنڈا کیا..

سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: اللہ کی قسم! وہ مجھے نبی ﷺ سے ڈراتے رہے، ڈراتے رہے حتیٰ کہ میں نے اپنے دل میں یہ عہد کر لیا کہ آپ ﷺ کی کوئی بات ہرگز نہیں سنوں گا.. اور نہ ہی آپ ﷺ سے بات کروں گا.. بلکہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی، تاکہ آپ ﷺ کے پاس گزرتے ہوئے غیر ارادی طور پر بھی آپ ﷺ کی کسی بات کا کوئی لفظ میرے کانوں میں داخل نہ ہونے پائے..

صبح میں مسجدِ حرام کی طرف گیا، کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کعبہ شریف کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں.. میں آپ ﷺ کے قریب ہی کھڑا ہو گیا.. میرے لاکھ نہ چاہتے ہوئے بھی اللہ نے مجھے آپ ﷺ کی زبانِ مبارک سے نکلنے والے کلام کے بعض کلمات سنا دیے.. میں نے بہت ہی پیارا کلام سنا.. اب میں نے دل ہی دل میں کہا:

میری ماں مجھے گم پائے! اللہ کی قسم! میں ایک صاحبِ عقل و دانش اور بصیرت مند شخص ہوں.. میں اچھے برے میں تمیز کرنا جانتا ہوں.. میری راہ میں کون سی رکاوٹ ہے کہ میں اس شخص کی بات سنوں؟ اگر اس کی بات اچھی ہوئی تو میں قبول کر لوں گا.. اور اگر وہ بُری ہوگی تو اسے ترک کر دوں گا.. چنانچہ میں وہیں رک گیا.. حتیٰ کہ آپ ﷺ نماز سے فارغ ہو گئے..

جب آپ ﷺ اٹھ کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئے تو میں نے آپ ﷺ کے گھر تک آپ ﷺ کا پیچھا کیا.. حتیٰ کہ جب آپ ﷺ اپنے گھر میں تشریف لے گئے تو میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے ہی داخل ہوگیا۔ میں نے آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر عرض کیا:

اے محمد ﷺ! آپ ﷺ کی قوم نے مجھے آپ ﷺ کے بارے میں یہ یہ باتیں کہی ہیں.. اللہ کی قسم! وہ مسلسل مجھے آپ ﷺ سے ڈراتے رہے.. حتیٰ کہ میں نے اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لی، تاکہ میں آپ ﷺ کی کوئی بات نہ سن پاؤں.. جبکہ میں نے آپ ﷺ سے بڑی پیاری سی کچھ باتیں سن لی ہیں.. اب آپ ﷺ میرے سامنے کھل کر اپنی بات پیش کریں.. یہ بات سن کر نبی اکرم ﷺ کا چہرۂ مبارک کھل اٹھا.. آپ ﷺ بہت خوش ہوئے.. اور خوشی خوشی سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور انھیں قرآنِ کریم کی کچھ آیات تلاوت کر کے سنائیں..

سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ نے اپنی حالت پر غور و فکر کرنا شروع کیا کہ میں تو اپنی زندگی میں روز بروز اللہ سے دور ہی ہوتا جا رہا ہوں.. میں پتھر سے بنے بتوں کو پوجتا ہوں.. جب انھیں پکارتا ہوں تو وہ سن نہیں سکتے.. اور جب انھیں آواز دوں تو وہ کوئی جواب نہیں دیتے۔ اب حق کھل کر ان کے سامنے آچکا تھا..

سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام لانے کے انجام کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا.. وہ اپنا اور اپنے آبا و اجداد کا دین کیسے بدلیں؟ لوگ ان کے بارے میں کیا کہیں گے؟ وہ شہزادگی کی زندگی جو انھوں نے گزاری ہے.. وہ مال و دولت جو انھوں نے جمع کیا ہے.. ان کے اہلِ خانہ.. بیوی بچے.. پڑوسی..

دوست واحباب.. ہر چیز ہی اپ سیٹ ہوجائے گی..!

سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ تھوڑی دیر خاموش سوچتے اور غور وفکر کرتے رہے.. اپنی دنیا و آخرت کے مابین موازنہ کرتے رہے.. پھر اچانک انھوں نے اپنی دنیا کو لات مار دی.. تمام عیش و آرام کو جوتے کی نوک پر رکھ دیا.. جی ہاں! اب وہ دین اسلام پر استقامت اور ثابت قدمی اختیار کریں گے۔ جو راضی ہوتا ہے راضی ہو.. جو ناراض و ناخوش ہوتا ہے وہ ناخوش رہے..اگر آسمان والا میرا اللہ راضی ہوگیا تو زمین والے لوگوں کی ناراضی کی مجھے کوئی پروانہیں..

❁ میرا مال و دولت آسمان والے کے ہاتھ میں ہے..

❁ میری صحت و بیماری آسمان والے کے اختیار میں ہے..

❁ میرا منصب و مرتبہ اور جاہ وحشمت آسمان والے کی دین ہے..

❁ بلکہ میری تو موت وحیات کا مالک بھی آسمان والا ہے..

جب آسمان والا مجھ سے راضی ہوگیا تو مجھے اس کی کوئی پروانہیں کہ میں نے متاعِ دنیا سے کیا کھویا ہے؟ اگر اللہ نے مجھ سے محبت کرلی تو پھر دوسرا جو بھی ناراض ہوتا ہے.. ہوتا رہے، اس پر جو بھی نکیر کرے.. کرتا پھرے.. اور اس کا جو کوئی استہزا و مذاق اڑائے.. وہ اڑاتا رہے.. بقولِ شاعر ؎

فَلَيْتَكَ تَحْلُوْ وَالْحَيَاةُ مَرِيْرَةٌ
وَلَيْتَكَ تَرْضٰى وَالْاَنَامُ غِضَابٌ

’’کاش! تو میرے لیے شیریں وخوش مزاج ہو جائے.. اگرچہ باقی ساری دنیا تلخ ہی کیوں نہ رہے اور کاش تو مجھ سے خوش ہو جائے.. اگرچہ باقی ساری مخلوقات مجھ سے ناراض ہی کیوں نہ رہے۔‘‘

وَلَيْتَ الَّذِیُ بَيْنِیُ وَ بَيْنَكَ عَامِرٌ
وَبَيْنِیُ وَبَيْنَ الْعَالَمِيْنُ خَرَابٌ

''اے کاش! تیرے اور میرے باہمی تعلقات قائم و استوار ہو جائیں
اور باقی سارے جہانوں کی چاہے مجھ سے بگڑی رہے۔''

اِذَا صَحَّ مِنْكَ الْوُدُّ فَالْكُلُّ هَيِّنٌ
وَكُلُّ الَّذِیُ فَوُقَ التُّرَابِ تُرَابٌ

''اگر مجھے تیری محبت صحیح معنوں میں حاصل ہو جائے تو باقی سب
کی عداوت میرے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتی کیوں کہ روئے زمین
پر جو کچھ بھی ہے وہ تو آخر مٹی ہی میں ملنے والا ہے۔''

جی ہاں! سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ اسی جگہ مشرف بہ اسلام ہوگئے اور کلمۂ شہادت پڑھ کر شہادتِ حق کا اقرار کر لیا.. ان کی ہمت بہت بڑھ گئی اور عزم و حوصلہ خوب جوان ہو گئے۔

وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے:

اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! میں اپنی قوم کا سربراہ و مقتدا ہوں، وہ سب میری اطاعت و فرمانبرداری کرتے ہیں.. اب میں لوٹ کر ان کی طرف جا رہا ہوں.. اور انھیں اسلام کی دعوت دوں گا.. اب سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے نکلے اور بڑی تیزی کے ساتھ اپنی قوم کی طرف روانہ ہوگئے۔ ان کے دل میں دین اسلام کی نشر و اشاعت کا جذبہ موجزن تھا۔ وہ راستے میں آنے والے پہاڑوں کو سر کرتے جا رہے تھے اور سامنے آنے والی وادیوں کو پار کرتے گئے.. یہاں تک وہ اپنی قوم کے علاقے میں پہنچ گئے..

جب وہ اپنی حویلی میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے ان کے پاس ان کے والد آئے۔ وہ عمر رسیدہ بوڑھے تھے..

سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ نے انھیں دیکھتے ہی کہا:

ابا جان! اب میرا اور آپ کا راستہ الگ الگ ہے۔ میں آپ کا کچھ نہیں لگتا اور آپ میرے کچھ نہیں ہیں..!

والد نے کہا: بیٹا! یہ سب کس لیے ہے..؟

سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

میں مسلمان ہو گیا ہوں.. اور میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اتباع اور پیروی شروع کر دی ہے..

ان کے والد نے کہا: بیٹا! میرا دین بھی وہی ہے جو تیرا دین ہے..
سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ نے ان سے مطالبہ کیا کہ اگر یہی بات ہے تو جائیں، غسل کریں اور دھلا ہوا پاک لباس پہن کر آئیں.. تاکہ میں آپ کو بھی وہ تعلیمات سکھلاؤں جو میں سیکھ کر آیا ہوں.. ان کے والدگرامی گئے، غسل کیا اور پاکیزہ لباس پہن کر آگئے۔ اب سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ نے انھیں اسلام کی طرف دعوت دی تو وہ مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

پھر سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ اپنے گھر تشریف لے گئے.. وہاں ان کی بیوی ان کے پاس آئیں تو ان سے بھی انھوں نے وہی بات کہی کہ مجھ سے ہٹ کر رہیں، آج سے میری اور آپ کی راہیں الگ الگ ہیں۔ نہ میں آپ کا کچھ لگتا ہوں اور نہ ہی آپ میری کچھ لگتی ہیں..

انھوں نے عرض کیا:

میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں.. آخر وجہ کیا ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ میرے اور آپ کے مابین اسلام نے تفریق و علاحدگی کر دی ہے.. جبکہ میں نے حضرت محمد ﷺ کا دین اختیار کر لیا ہے..

اس پر انھوں نے بھی کہا:

میرا دین تو وہی ہے جو آپ کا ہے.. اس پر سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ نے انھیں بھی حکم دیا کہ جاؤ، غسل و طہارت کرو اور اس کے بعد میرے پاس واپس آؤ۔ وہ اسی وقت اٹھیں اور روانہ ہوگئیں..

ان کا ایک بت تھا جس کا نام ''ذوالشریٰ'' تھا.. وہ اس کی تعظیم کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ جس نے اس کی عبادت و پوجا ترک کی، اسے وہ بت سزا دیتا ہے.. وہ بیچاری ڈر گئی کہ اگر وہ مسلمان ہوگئی تو یہ صنم کہیں انھیں اور ان کے بچوں کو نقصان نہ پہنچائے.. چنانچہ وہ ان کی طرف واپس لوٹ گئیں اور کہنے لگیں:

آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں! کیا آپ کو اپنے بچوں پر ذوالشریٰ سے ڈر نہیں لگتا؟

سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

تم جاؤ اور اس بات کی میں تمھیں ضمانت دیتا ہوں کہ ذوالشریٰ ہمارے بچوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا.. وہ گئیں، غسل کیا اور ان کی خدمت میں حاضر ہوگئیں.. انھوں نے انھیں اسلام کی دعوت پیش کی اور وہ بھی اسلام لے آئیں..

اب سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کے لوگوں میں اِدھر اُدھر چکر کاٹنے شروع کیے۔ گھر گھر جا کر لوگوں کو اسلام کی دعوت پیش کی.. ان کی مجلسوں اور بیٹھکوں میں جا نکلتے.. ان کے راستوں میں ان سے ملتے.. لیکن انھوں نے

اسلام لانے اور ذوالشریٰ کی پوجا چھوڑنے سے انکار کر دیا.. سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ ناراض ہو کر مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے۔ وہاں انھوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میرے قبیلہ بنو دَوس نے میرے حکم کی نافرمانی کی اور میری بات ماننے سے انکار کر دیا ہے.. اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان کے لیے بد دعا کریں.. یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کا رنگ متغیر ہو گیا.. آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیے.. سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ سمجھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بد دعا کرنے لگے ہیں، وہ دل ہی دل میں کہنے لگے کہ اب بنو دوس ہلاک ہو گئے..!

لیکن شفیقِ کائنات اور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا مانگنا شروع فرمائی:

«اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْساً، اللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْساً»

”اے اللہ! بنو دَوس کو ہدایت عطا فرما۔ اے اللہ! قبیلہ بنو دوس کو ہدایت سے نواز۔“

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور انھیں حکم فرمایا:

اپنی قوم کی طرف لوٹ جاؤ اور انھیں اسلام کی دعوت دو.. لیکن دعوت وتبلیغ کا یہ کام بڑے پیار اور نرمی سے کرنا۔ چنانچہ وہ اپنے قبیلے کی طرف لوٹ گئے.. انھیں لگاتار دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ قبیلہ والے سب لوگ مسلمان ہو گئے..

گردشِ ایام جاری تھی، کتنے ہی شب و روز گزر گئے.. نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس جہانِ فانی سے حیاتِ جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے.. لیکن سیدنا طفیل رضی اللہ عنہ

آپ ﷺ کے سانحۂ ارتحال کے بعد بھی دین اسلام پر ڈٹے رہے..حتی کہ وہ معرکۂ یمامہ میں جامِ شہادت نوش فرماگئے..!

(الإصابة في تمييز الصحابة لابن حجر: ٣/ ٥٢١)

19 جنت میں اپنا مقام دیکھ لیا

ایک نوجوان.. جس کی عمر کا ابھی سولہواں ہی سال تھا.. وہ مسجد میں بیٹھا قرآنِ کریم کی تلاوت کر رہا تھا.. اسے نمازِ فجر کی اقامت (تکبیر) کا انتظار تھا.. کب جماعت کھڑی ہوگی۔ نماز کے لیے اقامت شروع ہوئی تو اس نے قرآنِ کریم کو لپیٹ کر اس کی جگہ پر رکھ دیا اور اُٹھ کر صف میں کھڑا ہو گیا.. اچانک وہ نوجوان گر پڑا اور اس پر غشی طاری ہوگئی۔ دوسرے نمازیوں نے اسے اٹھایا اور ہسپتال پہنچا دیا.. جس ڈاکٹر نے اس کا معائنہ کیا تھا.. اس نے مجھے بتایا کہ یہ نوجوان ایک زندہ لاش کی طرح چارپائی پر ڈال کر ہمارے پاس لایا گیا.. میں نے جب اسے چیک کیا تو پتا چلا کہ اس کے دماغ (BRAIN) کی شریانوں میں خون جم گیا ہے..

اس کی یہ بیماری اس اسٹیج پر ہے کہ اگر کوئی اونٹ بھی اس سٹیج پر پہنچ جاتا تو وہ اسے ہلاک کر کے رکھ دیتی.. میں نے اس نوجوان کو بغور دیکھا تو محسوس کیا کہ وہ موت سے دست بگریباں ہے اور اپنی زندگی کی آخری سانسیں لے رہا ہے..

ہم نے اس کی مدد کرنے اور اس کے دل کو نشاط و تازگی مہیا کرنے کی بھرپور کوشش کی.. میں نے اس کے پاس فرسٹ ایڈ کے انچارج ڈاکٹر کو کھڑا کر

دیا.. جو اس کی گہری نگہداشت کر رہا تھا.. اور خود ڈاکٹری اوزار لینے چلا گیا تاکہ اس کا علاج معالجہ کیا جائے.. میں بھاگم بھاگ اس کی طرف واپس لوٹ کر آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ اس نوجوان نے فرسٹ ایڈ کے انچارج ڈاکٹر کا ہاتھ پکڑا ہوا ہے اور ڈاکٹر نے اپنا کان اس نوجوان کے منہ کے ساتھ لگایا ہوا ہے..

وہ نوجوان بہت دھیمی سی آواز سے ڈاکٹر کے کان میں کچھ کہہ رہا تھا.. چند لمحوں کے لیے میں اپنی جگہ پر کھڑا دور سے انھیں دیکھتا رہا.. اچانک اس نوجوان نے ڈاکٹر کا ہاتھ چھوڑ دیا.. ہم نے بھرپور کوشش کی کہ وہ اپنے پہلو پر لیٹ جائے.. پھر اس نے بوجھل سی زبان سے کہا:

«اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ»

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔''

یہ کلمۂ شہادت اس نے بار بار دہرانا شروع کیا۔ اس کی نبض بیٹھتی جا رہی تھی.. اور دل کی دھڑکن غائب ہوتی لگ رہی تھی.. ہم اسے بچانے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے..لیکن اللہ کا فیصلہ برحق وقوی تر تھا.. وہ نوجوان فوت ہوگیا.. اس کی آخری سانس کے ٹوٹتے ہی فرسٹ ایڈ کے اسپیشلسٹ ڈاکٹر نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا.. حتیٰ کہ اس سے اپنے قدموں پر کھڑے رہنا ممکن نہ ہوا.. اور وہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ ہمیں اس کی کیفیت پر بڑا تعجب ہوا.. ہم نے اس سے کہا: اے فلاں! کیا بات ہے؟ آپ کیوں رو رہے

ہیں؟ یہ کوئی پہلا موقع تو نہیں کہ تم نے کسی مرنے والے کی لاش دیکھی ہو.. لیکن وہ ڈاکٹر مسلسل سسکیاں بھرتا اور روتا رہا..

جب اس سے حزن و بکا کا غلبہ کچھ کم ہوا تو ہم نے اس سے پوچھا: وہ نوجوان اپنی زندگی کے آخری لمحات میں آپ کے کان میں کیا کہہ رہا تھا؟

اس نے جواب دیا:

ڈاکٹر صاحب! جب اس نے آپ کو بھاگم بھاگ آتے جاتے، اِس کو کسی چیز اور اُس کو کسی دوسری چیز کا حکم دیتے دیکھا تو وہ سمجھ گیا کہ میرے معالجِ خاص آپ ہی ہیں..تب اس نے مجھے کہا:

ڈاکٹر صاحب! اپنے اس ساتھی ہارٹ اسپیشلسٹ ڈاکٹر صاحب سے کہہ دیں کہ وہ اپنے آپ کو پریشانی میں مبتلا نہ کریں اور نہ دوسروں کو بھاگ دوڑ میں لگا کر پریشان کریں.. میں تو اب لا محالہ مرنے ہی والا ہوں.. اللہ کی قسم! میں ابھی سے جنت میں ملنے والا اپنا ٹھکانا دیکھ رہا ہوں..

تجھ کو غافل! فکر عقبیٰ کچھ نہیں
کھا نہ دھوکا ، عیش دنیا کچھ نہیں
زندگی ہے چند روزہ ، کچھ نہیں
کچھ نہیں ، اس کا بھروسا کچھ نہیں

تو برائے بندگی ہے یاد رکھ
بہر سر افگندگی ہے یاد رکھ
ورنہ پھر شرمندگی ہے یاد رکھ
چند روز زندگی ہے یاد رکھ

تو نے منصب بھی کوئی پایا تو کیا
گنج و سیم و زر بھی ہاتھ آیا تو کیا
قصر عالی شان بھی بنوایا تو کیا
دبدبہ بھی اپنا دکھایا تو کیا

ایک دن مرنا ہے آخر موت ہے
کر لے جو کرنا ہے، آخر موت ہے

20 موت کی دہلیز پر

اس نے اپنی یہ آپ بیتی خود اپنے ہاتھ سے لکھی ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ مجھ پر کوئی دن ایسا نہیں گزرتا جسے میں رو رو کر نہ گزاروں.. میں روزانہ کئی کئی مرتبہ خودکشی کرنے کے بارے میں سوچتی رہتی ہوں.. میری زندگی کی اب میری نظر میں کوئی قیمت نہیں رہ گئی۔ میں ہر گھڑی موت کی تمنا میں گزارتی ہوں.. کاش میں پیدا ہی نہ ہوتی اور نہ ہی میں اس دنیا کو دیکھتی..

میری آپ بیتی کا آغاز میری ایک سہیلی کے ساتھ کچھ یوں ہوتا ہے کہ اس نے مجھے اپنے گھر آنے کی دعوت دی.. میری سہیلی ان لوگوں میں سے ہے جو انٹرنیٹ کا بکثرت استعمال کرتے ہیں..

اس نے میرے دل میں اس دنیا کو دیکھنے، اسے جاننے اور انجوائے کرنے کی رغبت اور شوق کو خوب بھڑکا دیا.. اس نے مجھے تقریباً صرف دو ہی ماہ میں یہ سب کچھ سکھلا دیا کہ انٹرنیٹ کو کیسے استعمال کرنا ہے؟

اب میرے شوق کا یہ عالم ہوگیا تھا کہ میں بکثرت اس کے گھر جانے لگی تھی.. میں نے اس سے براہِ راست گفتگو (LIVE CHAT) کرنا سیکھ لیا.. میں یہ بھی سیکھ گئی کہ کمپیوٹر کو کیسے کھولنا اور انٹرنیٹ میں کیسے داخل ہونا

ہے.. ان دو ماہ کے دوران میں میری اپنے شوہر سے ہر وقت جنگ چھڑی رہتی کہ وہ گھر میں انٹرنیٹ کی لائین (CONNECTION) حاصل کرے.. لیکن وہ اس چیز کے خلاف تھا..

یہاں تک میں نے اسے یہ کہہ کہہ کر قائل کر لیا کہ تمھارے کام پر چلے جانے کے بعد میں بہت تنہائی محسوس کرتی اور سخت اکتاہٹ میں مبتلا رہتی ہوں.. خصوصاً جبکہ ہم گھر والوں سے بھی دور رہ رہے ہیں.. میں نے یہ دلیل بھی دی کہ میری تمام سہیلیوں کے پاس انٹرنیٹ کنکشن ہے اور وہ اسے استعمال کرتی ہیں.. میں کیوں استعمال نہ کروں اور ان سے اس کے ذریعے سے گپ شپ نہ کروں، جبکہ وہ ٹیلیفون سے بہت سستا بھی ہے..؟ آخر کار میرا شوہر رضامند ہو گیا.. مگر کاش! ایسا نہ ہوا ہوتا..!!

میں نے روزانہ اپنی سہیلیوں سے گپ شپ کرنا شروع کردیا.. اس کے بعد میرے شوہر کو میری طرف سے کوئی شکوہ و شکایت اور پریشانی نہ رہی.. وہ جیسے ہی گھر سے نکلتا، میں دیوانہ وار انٹرنیٹ کی طرف لپکتی.. میں کئی کئی گھنٹے تک طویل اوقات کے لیے اس پر بیٹھی رہتی.. اب تو میں یہ تمنا کرنے لگی تھی کہ کاش! میرا شوہر زیادہ سے زیادہ باہر رہا کرے.. میں اپنے شوہر سے پیار کرتی ہوں اور اس نے بھی میرے کسی معاملے میں کبھی کوئی کمی بیشی و کوتاہی نہیں برتی..

یہ ٹھیک ہے کہ اس کی مالی حالت میری بہنوں اور سہیلیوں کے مقابلے میں کچھ پتلی تھی.. مگر وہ میری خوشی کے لیے بھرپور محنت اور دوڑ دھوپ کرتا رہتا ہے.. مرورِ ایام اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ میں محسوس کرنے لگی کہ انٹرنیٹ میرے لیے زیادہ سے زیادہ دل بہلانے کا ذریعہ بنتا جا رہا ہے۔ میری

حالت یہ ہوگئی کہ اب میں اپنے والدین کو ملنے کے لیے جانے میں بھی کوئی دلچسپی نہیں لے رہی تھی.. جبکہ اس سے قبل ہم ہر پندرہ روز کے بعد اپنے مائیکے اور سسرال دونوں کو ملنے کے لیے جایا کرتے تھے۔

جب کبھی اچانک میرا شوہر گھر میں داخل ہو جاتا تو میں گھبرا اٹھتی اور میں انٹرنیٹ پر موجود ہر چیز کو کچھ اس افراتفری میں بند کرتی کہ اسے تعجب ہوا کرتا تھا.. لیکن اسے مجھ پر کسی قسم کا کوئی شک نہیں تھا.. بلکہ وہ تو یہ چاہتا تھا کہ وہ دیکھے کہ میں انٹرنیٹ پر کیا کرتی اور اس سے کس طرح دل بہلاتی ہوں؟

ہوسکتا ہے کہ یہ محض ایک فضول سا جذبہ ہو یا شاید یہی غیرت ہے کہ ایک دن جب اس نے لائیو چیٹ (گفتگو) کرتے ہوئے کسی کی آواز سن لی تھی.. جسے میں اپنی تمام تر کوششوں اور ہوشیاریوں کے باوجود اس سے چھپا نہ سکی.. تو اس دن کے بعد وہ کبھی کبھار مجھ پر خفگی کا اظہار کرتا رہتا تھا.. اور یہ کہا کرتا تھا کہ انٹرنیٹ حصولِ معلومات کا بڑا وسیع میدان ہے.. لیکن یہ وقت ضائع کرنے کا باعث بھی ہے..

وقت گزرتا گیا اور میں روز بروز نت نئے لوگوں سے چیٹنگ کی گرویدہ و دلدادہ ہوتی گئی.. بچوں کی تربیت و پرورش کا مسئلہ میں نے نوکرانی پر ڈال دیا.. یہ تو میں جانتی ہی تھی کہ میرا شوہر کب گھر آتا ہے.. لہٰذا اس کی آمد سے پہلے پہلے میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ سب آف کرکے رکھ دیا کرتی.. اور جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے.. میں نے اپنے بناؤ سنگھار سے لاپرواہی برتنا شروع کر دی تھی..

اس انٹرنیٹ میں داخل ہونے سے پہلے میں اپنے شوہر کے گھر آنے پر

بن سنور کر اچھی شکل وصورت اختیار کر لیا کرتی تھی لیکن اب میرا بناؤ سنگھار کم ہوتے ہوتے ختم ہی ہوگیا.. میں انٹرنیٹ کی اس حد تک دیوانی تھی کہ اپنے شوہر کے سو جانے پر چپکے سے چوری چھپے اٹھ کر انٹرنیٹ کمپیوٹر والے کمرے میں چلی جاتی اور اس کے اٹھنے سے پہلے پہلے چپکے سے دوبارہ بستر میں آ دبکتی تھی.. کچھ عرصے کے بعد اسے شاید یہ احساس ہوگیا تھا کہ میں انٹرنیٹ پر بلا وجہ وقت ضائع کرتی رہتی ہوں.. لیکن وہ مجھ پر ترس کھاتا رہا کہ بیچاری اکیلی ہے، والدین اور بہن بھائیوں سے بھی دور ہے..!

اور میں نے اس کے ان مشفقانہ جذبات سے بڑا ناجائز فائدہ اٹھایا..

وہ اس بات پر ناراض ہوتا کہ میں بچوں کے بارے میں لاپرواہی برت رہی ہوں.. اس بات کو لے کر اس نے مجھے کئی مرتبہ ڈانٹ ڈپٹ بھی کی.. جس پر مَیں جھوٹ موٹ رونے لگتی اور اس سے کہتی کہ آپ کو کیا معلوم ہے کہ آپ کے بعد گھر میں کیا ہوتا ہے..؟ میں ان کا بہت خیال رکھتی ہوں.. ان کی تربیت اور پرورش پر بڑا وقت صَرف کرتی ہوں.. مگر یہ ہیں کہ سارا دن شرارتیں کر کر کے مجھے تھکا کر رکھ دیتے ہیں..!

مختصر یہ کہ میں ہر چیز سے لاپرواہ ہوگئی.. یہاں تک کہ شوہر سے بھی..!

پہلے میری حالت یہ ہوتی تھی کہ میں اس کے گھر سے باہر ہونے کی صورت میں دسیوں مرتبہ اسے فون کیا کرتی تھی اور صرف اس کی آواز سننا چاہتی تھی.. اب جب سے انٹرنیٹ نے گھر میں قدم ڈال لیا اور میری زندگی میں داخل ہو گیا تھا.. اب وہ میری آواز سن ہی نہ پاتا تھا.. سوائے اس کے کہ گھر میں کسی خاص چیز کی ضرورت پیش آجائے تو اس کے لیے کبھی کبھار فون کرنے کی

نوبت آ گئی..

اب میرے شوہر کو انٹرنیٹ پر بہت غیرت اور غصہ آنے لگا تھا.. چھ ماہ اسی حالت میں گزر گئے.. میں نے کئی جعلی ناموں کے ساتھ لوگوں سے تعلقات پیدا کر لیے.. میں یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ نام مردوں کے ہیں یا عورتوں کے..؟ چیٹنگ کے ذریعے سے جو بھی مجھ سے بات کرتا میں اسی سے گفتگو کرنا شروع کر دیا کرتی تھی.. حالانکہ میں جانتی بھی تھی کہ یہ بات کرنے والا مرد ہے..!

ہاں! ایک شخص ایسا تھا کہ جس کی طرف میں بہت ہی زیادہ مائل ہوگئی.. مجھے اس سے بات کرنا اچھا لگتا.. اس کی ظریفانہ گفتگو.. لطائف اور نکتے پسند آتے.. اس کی باتیں بڑی دلچسپ اور جی کو لبھانے والی ہوتیں.. دن گزرتے گئے اور ہم دونوں کے باہمی تعلقات گہرے سے گہرے تر ہوتے چلے گئے..

ان تعلقات کے قائم ہونے میں تین مہینے لگے.. وہ مجھے اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے اپنی طرف کھینچتا چلا گیا.. اس کی گفتگو کے ہر ہر لفظ سے پیار و محبت کے پیمانے چھلکتے تھے.. اس سے شوقِ دیدار دوآتشہ ہوتا گیا۔ ہوسکتا ہے کہ اس کے الفاظ تو اس حد تک خوبصورت نہ ہوں.. تاہم شیطان انھیں میرے سامنے خوب مزین کر کے پیش کرتا رہا.. آج تک ہماری ساری کی ساری گفتگو چیٹنگ کے ذریعے سے صرف زبانی کلامی ہی تھی..

ایک دن اس نے میری آواز سننے کا مطالبہ کیا جسے میں نے رد کر دیا.. اس نے بڑا ہی اصرار کیا.. حتیٰ کہ پھر اس نے یہ دھمکی دینا شروع کر دی کہ اگر میں نے آواز نہ سنائی تو وہ تحریری گفتگو بھی بند کر دے گا.. نہ چیٹ اور نہ ہی

ای میل کرے گا..

میں نے اس کے مطالبے کو ٹالنے اور اپنی رائے پر ڈٹے رہنے کی بہت کوشش کی.. مگر میں اس پر قائم نہ رہ سکی.. پتا نہیں کیوں..؟ یہاں تک کہ میں نے چند شرائط کے ساتھ آواز کے ساتھ گفتگو کرنے کی ہامی بھر لی.. ہم متفق ہوگئے کہ صرف ایک ہی مرتبہ آواز سے گفتگو ہوگی..

اب ہم نے آواز والی گفتگو کا ذریعہ اختیار کر لیا.. اگرچہ مطلوبہ سسٹم کچھ اتنا معیاری نہیں تھا.. تاہم اس کی آواز بہت ہی پیاری اور اس کی گفتگو انتہائی شیریں اور دل کو موہ لینے والی تھی..

ایک دن اس نے مجھے کہا کہ تمھاری آواز انٹرنیٹ پر صاف نہیں آرہی.. لہٰذا مجھے اپنا فون نمبر دو.. میں نے اس سے انکار کر دیا.. مجھے اس کی جراَت پر بڑا تعجب ہوا.. جبکہ میں دیر تک اس سے گفتگو کرنے کی بھی ہمت نہ پاسکی.. اللہ کی قسم! مجھے یقین تھا کہ شیطان مردود میرے سر پر سوار تھا.. وہ مجھے اس کی آواز بنا سنوار کر سنا رہا تھا اور میرے دین و اخلاق اور عفت و عصمت سے جنگ چھیڑ کر انھیں بھی چھیننا چاہتا تھا.. یہاں تک کہ وہ دن بھی آ گیا کہ میں نے اس سے فون پر بات کی.. اس دن سے میری زندگی میں انحراف اور کج روی شروع ہوگئی.. میں آہستہ آہستہ اس غلط راہ میں بہت ہی آگے نکل گئی.. شیطان مجھے بہت دور بہکا لے گیا.. میں اس سلسلے میں بات کو طول نہیں دیتی..

جو شخص میرا یہ قصہ پڑھے گا.. وہ یہی سمجھے گا کہ میرا شوہر میرے بارے میں بے پروا تھا.. وہ گھر سے بکثرت غائب رہا کرتا تھا.. نہیں! اصل حقیقت اس کے برعکس ہے.. وہ اپنے کام سے کام رکھتا اور وہاں سے سیدھا گھر آجایا

کرتا تھا.. وہ میری خاطر اور میرے بچوں کی خاطر اپنے دوستوں کے پاس بھی بہت کم ہی جایا کرتا تھا..

مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ اور گردشِ شب و روز کے بعد میں انٹرنیٹ میں روز افزوں مہارت حاصل کرتی گئی اور اس سے میرا شغف بڑھتا گیا.. حتی کہ میں روزانہ ۸ سے لے کر ۱۲ گھنٹے تک انٹرنیٹ پر رہتی تھی.. اب مجھے اپنے شوہر کا زیادہ گھر میں رہنا برا لگتا تھا.. بلکہ میں اس پر اسے کئی مرتبہ الٹی سیدھی بھی سنا چکی تھی۔ میں اسے یہ سبق دینے اور اس سلسلے میں اس کی حوصلہ افزائی کرنے لگی کہ وہ پارٹ ٹائم بھی کوئی کام کر لیا کرے تاکہ قرضوں سے ہماری جان چھوٹے اور مختلف قسطوں کی ادائیگی کے لا متناہی سلسلے سے خلاصی ملے..

اس نے میری یہ بات بھی مان لی.. اور اپنے کسی دوست کے کسی چھوٹے سے کاروبار میں حصہ دار (PARTNER) بن گیا.. اس کے بعد تو میں اپنا زیادہ سے زیادہ وقت انٹرنیٹ پر ہی گزارا کرتی تھی.. کبھی کبھی وہ ٹیلیفون اور نیٹ کنکشن کے بلوں پر سٹپٹا اٹھتا تھا.. جو بعض دفعہ ہزاروں ریال تک آ جاتے تھے.. لیکن وہ مجھے اس سے روکنے میں کامیاب نہیں ہوسکا..

اپنے آشنا کے ساتھ میرے تعلقات روز بروز گہرے ہوتے گئے.. جب کئی مرتبہ اس نے میری آواز سن لی.. بلکہ خوب دل بھر کر سن لی تو اب اس نے یہ مطالبہ کرنا شروع کر دیا کہ وہ مجھے دیکھنا چاہتا ہے.. مجھے اس کے اس مطالبے کی کوئی خاص پروا تھی اور نہ ہی میں نے اس سے تعلقات منقطع کرنے کی سوچی.. بلکہ میں تو صرف اس کے مطالبے پر اپنی خفگی و ناراضی کا اظہار کر دیا کرتی تھی.. جبکہ درحقیقت میں اس کے دیدار کی اس سے بھی زیادہ متمنّی

تھی.. لیکن میں اس سے ذرہ بالا رہتی.. کسی خاص وجہ سے نہیں، بلکہ محض ڈرتی تھی اور اندیشہ ہائے دور دراز مجھے اس کی اجازت نہیں دے رہے تھے..

اس کا اصرار روز بروز بڑھتا گیا.. وہ صرف مجھے دیکھنا چاہتا تھا.. اس کے سوا کچھ نہیں۔ میں نے اس کا یہ مطالبہ ایک شرط کے ساتھ قبول کر لیا کہ ہماری یہ ملاقات پہلی.. اور یہی آخری بھی ہوگی۔ ہم نے باہم یہ عہد و پیمان کر لیا اور پھر ایک مارکیٹ میں ملاقات کی.. اور ہم دونوں کے مابین تیسرا شیطان لعین بھی تھا.. حقیقی بات تو یہ ہے کہ مجھے وہ پہلی ہی نظر میں بھا گیا.. بلکہ شیطان نے اسے میری نگاہوں میں خوب مزین کر دیا..

میرا شوہر کوئی بدصورت تو نہیں تھا.. لیکن شیطان حرام کو بنا سنوار کر پیش کرتا ہے.. ہم دونوں باہم مل کر اپنی اپنی راہ چلے گئے.. مگر اس ملاقات کے بعد ہمارا تعلق روز بروز قوی سے قوی تر ہوتا گیا.. وہ نہیں جانتا تھا کہ میں شادی شدہ ہوں.. بال بچوں والی ہوں.. اس کے بعد بھی اس نے مجھے کئی مرتبہ دیکھا اور ملاقات کی۔

آہستہ آہستہ اسے میرے بارے میں تمام باتیں معلوم ہوگئیں.. اس نے مجھے اس مقام پر لا کھڑا کیا کہ میں اپنے شوہر سے نفرت کرنے لگی... بالآخر اس نے یہ مشورہ میرے سامنے رکھ دیا کہ میں اپنے شوہر سے طلاق لے لوں.. تاکہ وہ مجھ سے شادی کر لے..

اب میں اپنے شوہر سے نفرت کرنے لگی تھی.. میں نے اب روز بروز نت نئے مسائل کھڑے کرنا شروع کر دیے، تاکہ کسی طرح وہ مجھے طلاق دے دے.. میرے شوہر سے یہ گھٹیا قسم کے امور برداشت نہ ہوئے.. لہٰذا اس نے

زیادہ سے زیادہ وقت گھر سے باہر رہنا شروع کر دیا.. یہاں تک کہ ایک دن یہ سانحہ رونما ہوگیا..

ایک دن میرے شوہر نے بتایا کہ وہ کاروباری سلسلے میں پانچ دن کے سفر پر کہیں جا رہا ہے.. اس نے مجھے مشورہ دیا کہ میں بچوں کے ساتھ اپنے مائیکے والوں سے مل آؤں.. میں نے محسوس کیا کہ اپنے آشنا سے کھل کر ملنے کا یہ مناسب وقت ہے.. میں نے اپنے مائیکے جانے سے انکار کر دیا.. ناچار میرا شوہر اس پر رضا مند ہوگیا۔ پھر وہ جمعہ کے دن پانچ دن کے لیے سفر پر روانہ ہوگیا۔ اس کی روانگی کے بعد ایک دن چھوڑ کر اتوار کو ہم نے ملاقات طے کی.. میں نے اس شیطان صفت شخص سے ایک مارکیٹ میں ملاقات کرنے کا وعدہ کیا.. میں اس کے ساتھ گاڑی میں سوار ہوگئی.. وہ مجھے مختلف سڑکوں پر لیے گھماتا رہا..

یہ میری زندگی کا پہلا موقع تھا کہ میں کسی اجنبی کے ساتھ باہر گئی تھی.. اس لیے میں کچھ قلق و اضطراب اور پریشانی میں مبتلا تھی.. اور وہ مجھ سے بھی زیادہ پریشان نظر آرہا تھا.. میں نے اس سے کہا کہ میں گھر سے باہر زیادہ وقت نہیں رہ سکتی.. مجھے ڈر ہے کہ میرا شوہر کہیں فون نہ کرے یا کوئی اور واقعہ نہ رونما ہو جائے.. اس نے یہ سن کر کہا کہ اگر تمھارے شوہر کو پتا چل گیا تو کیا ہے..!! ہو سکتا ہے کہ وہ تمھیں طلاق دے دے، اس طرح تمھاری جان ہی چھوٹ جائے گی.. مجھے اس کی یہ بات اور لہجہ پسند نہ آیا.. میں مزید پریشان ہوگئی.. میں نے اس سے کہا کہ زیادہ دور ہرگز نہ جائیں، میں گھر سے زیادہ لیٹ نہیں ہونا چاہتی.. اس نے اب مجھے اِدھر اُدھر کی باتوں میں الجھانا شروع

کر دیا.. ناگاہ میں ایک ایسی جگہ پر تھی کہ جسے میں نہیں جانتی تھی.. وہ جگہ اندھیری تھی..کوئی باغیچہ یا فارم ہاؤس لگتا تھا.. میں نے اس پر چلاّنا شروع کر دیا کہ یہ کون سی جگہ ہے..؟ تم مجھے کہاں لیے جا رہے ہو؟

چند ہی لمحات گزرے تھے کہ گاڑی کھڑی ہوگئی اور کوئی دوسرا شخص میری سائیڈ کا دروازہ کھول کر مجھے زبردستی گاڑی سے باہر کھینچ رہا تھا..اور تیسرا شخص ابھی فارم ہاؤس کے اندر تھا.. اور وہیں میں نے ایک چوتھے آدمی کو بھی بیٹھے دیکھا..اس جگہ سے عجیب قسم کی بوئیں اُٹھ رہی تھیں.. ہر ہر چیز مجھ پر بجلی بن کر گر رہی تھی.. میں چلاّئی.. روئی..منتیں سماجتیں کرکے ان سے رحم کرنے اور ترس کھانے کی اپیل کی..شدتِ خوف کی وجہ سے میری یہ حالت ہوگئی کہ مجھے اپنے گردو پیش میں رونما ہونے والے واقعات کی کوئی سمجھ نہیں آرہی تھی.. پھر میں نے اپنے منہ پر زناٹے دار طمانچہ محسوس کیا..کوئی آواز مجھ پر چلاّ رہی تھی.. اس آواز اور طمانچے نے نہ صرف مجھے ہلا کر رکھ دیا بلکہ میں خوف و ہراس کے نتیجے میں اپنے ہوش ہی کھوہ بیٹھی تھی..

اب میرے ساتھ جو ہوا سو ہوا.. کچھ دیر کے بعد جب مجھے ہوش آیا تو میں سخت مرعوب تھی.. میرے سارے جسم پر رعشہ طاری تھا..اور میں لمحہ بھر کے لیے بھی رونے سے نہیں رک رہی تھی.. انھوں نے میری آنکھوں پر پٹی باندھی.. اور اٹھا کر گاڑی میں ڈالا اور میرے گھر کے قریب ایک جگہ مجھے پھینک گئے۔

میں بھاگم بھاگ گھر میں داخل ہوگئی۔ اب میرا صرف ایک ہی کام تھا.. رونا اور بس روتے ہی رہنا..حتیٰ کہ میری آنکھوں سے آنسوؤں کا پانی

خشک ہوگیا.. میں ہر وقت اپنے کمرے ہی میں پڑی رہتی.. اورتو اور میں اپنے بچوں سے بھی نہیں ملتی تھی.. میں نے اپنے منہ میں کھانے کا کوئی لقمہ تک نہ ڈالا تھا.. مجھے اپنے آپ سے نفرت ہوگئی تھی.. میں نے خودکشی کی کوشش کی.. گھر میں ہوتے ہوئے بھی میں اپنے بچوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی.. نہ ہی مجھے ان کی موجودگی کا کوئی احساس ہوتا تھا۔

میرا شوہر سفر سے واپس لوٹ آیا.. میری حالت اتنی بری ہو چکی تھی کہ وہ مجھے زبردستی ہسپتال لے گیا.. ڈاکٹروں نے مجھے آرام دہ، سکون بخش اور طاقتور دوائیاں دیں.. میں نے اپنے شوہر سے التجا کی کہ وہ مجھے جلد از جلد میرے مائیکے لے جائے.. میں بہت روتی رہتی تھی اور میرے گھر والے کچھ بھی نہیں کرسکتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ میری اور میرے شوہر کی کسی وجہ سے ناچاکی ہوگئی ہے..

میرے والد نے میرے شوہر سے افہام وتفہیم کی کوشش کی، لیکن وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچے.. کیوں کہ میرے شوہر کو دراصل کسی بھی بات کا علم تھا اور نہ کسی دوسرے کو مجھ پر بیتنے والے سانحے کی خبر تھی.. حتیٰ کہ میرے گھر والے مجھے ایک دم کرنے والے کے پاس بھی لے گئے، ان کا خیال تھا کہ میں شاید بیمار ہوں..

مختصر یہ کہ میں اپنے شوہر کے لائق نہ رہی.. لہٰذا میں نے اس سے طلاق کا مطالبہ کر دیا .. اللہ شاہد ہے کہ میں نے یہ صرف اس کے احترام و اکرام کے پیشِ نظر کیا.. کیوں کہ میں عزت و شرف والے لوگوں کے مابین زندگی گزارنے کی حق دار نہیں رہی تھی۔

میں نے اپنی قبر خود اپنے ہی ہاتھوں سے کھو دی ہے.. اور انٹرنیٹ چَیٹ

کے ذریعے مجھ سے متعارف ہونے والا شخص میرا دوست نہیں، بلکہ وہ تو چَیٹ کرنے والی لڑکیوں کو شکار کرنے والا درندہ تھا..

میرا شوہر میری حالت پر بہت مبتلائے حزن و ملال ہوا.. بلکہ کئی دنوں تک اس نے اپنا سارا کام کاج ہی چھوڑے رکھا تا کہ وہ میرے پاس رہے.. اس نے مجھے طلاق دینے سے انکار کر دیا تھا.. وہ بیچارہ تو مجھ سے ٹوٹ کر محبت کرتا تھا.. اس نے میری خاطر بہت تگ و دَو کی.. یہاں تک کہ خاندان اور گھر بنایا.. اب وہ اس سب کچھ کو برباد نہیں کرنا چاہتا تھا..

میں نے اپنا راز اپنے سینے ہی میں دبائے رکھا.. اب جو بھی دن گزرتا ہے.. وہ مجھ پر پہلے سے زیادہ قہر ڈھاتا ہے۔ اُن گھٹیا لوگوں نے مجھے کس ذلت میں مبتلا کر دیا..؟

❁ میں ان شراب پینے اور منشیات استعمال کرنے والے لوگوں کے سامنے کوڑے کرکٹ کا ڈھیر کیسے بن گئی کہ وہ میرے جسم کو جیسے چاہیں نوچیں..؟ میں بھی کتنی احمق و نادان تھی..؟

❁ میں نے کئی مہینے اپنے محبت بھرے جذبات اس کی طرف موڑنے میں کیوں برباد کر دیے، جب کہ وہ اُس کا مستحق ہی نہیں؟

اب میں یہ کلمات انتہائی نقاہت کے عالَم میں بسترِ مرض پر پڑی لکھ رہی ہوں.. جو ہوسکتا ہے کہ میرے لیے بسترِ مرگ (فراشِ موت) بن جائے..!!

21 تارکِ قرآن ہوکر

ایک خاتون کہتی ہیں کہ میں حرمِ مکی میں خواتین کے لیے مخصوص جگہ پر بیٹھی تھی کہ ایک عورت نے میرے کندھے کو تھپتھپایا اور عجمی لہجہ میں کہنا شروع کیا:

اے حاجن! اے حاجن! میں اس کی طرف متوجہ ہوئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ ایک درمیانی عمر کی عورت ہے.. میرا ظنِ غالب ہے کہ وہ ترکی نژاد تھی.. اس نے مجھے سلام کیا.. میرے دل میں فوراً اس کے لیے جذباتِ محبت نے جنم لے لیا.. سبحان اللہ! یہ روحیں بھی اللہ کے لشکر ہیں.. دلوں کو دلوں تک راہ ہوتی ہے..

وہ مجھے کچھ کہنا چاہتی تھی اور اپنا ما فی الضمیر ادا کرنے کے لیے کلمات و الفاظ جمع کر رہی تھی.. اس نے میرے ہاتھ میں موجود قرآنِ کریم کی طرف اشارہ کیا اور پھر ٹوٹی پھوٹی عربی زبان میں کہا: تم قرآن پڑھ لیتی ہو؟ میں نے کہا: ہاں۔ اتنا سننا تھا کہ اس عورت کا چہرہ خوشی سے سرخ ہوگیا اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈب ڈبا گئیں.. مجھے اس منظر نے گھبراہٹ میں مبتلا کردیا.. وہ خاتون رونا شروع ہوگئی..

میں نے اس سے پوچھا:

تمھیں کیا ہوا ہے؟

اس نے شرماتی ہوئی نگاہوں اور رندھی ہوئی آواز سے کہا:

میں قرآن نہیں پڑھ سکتی..

میں نے پوچھا کیوں؟

اس نے جواب دیا کہ میں پڑھی لکھی نہیں ہوں.. ابھی یہ بات اس کے منہ میں ہی تھی کہ اس نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا..

میں اس کا کندھا تھپکتی اور اسے دلاسہ دیتی رہی.. میں نے کہا:

تم اس وقت اللہ کے گھر.. خانہ کعبہ.. کے سائے میں ہو.. اس سے دعا کرو کہ وہ تمھیں قرآن سکھلا دے اور قرآن کی قراءت و تلاوت سیکھنے میں تمھاری مدد کرے.. اس عورت نے اپنے آنسو پونچھ لیے..

میں وہ منظر عمر بھر کبھی نہیں بھول سکتی.. اس عورت نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اللہ سے یہ دعا مانگنے لگی:

"اَللّٰهُمَّ افْتَحْ قَلْبِیْ اَقْرَأُ الْقُرْآنَ،اَللّٰهُمَّ افْتَحْ قَلْبِیْ اَقْرَأُ الْقُرْآنَ"

"اے اللہ! میرا سینہ کھول دے تاکہ میں بھی قرآن پڑھ سکوں۔

اے اللہ! میرے دل کے دروازے وا کر دے، تاکہ میں بھی تیری کتاب پڑھ سکوں۔"

پھر وہ خاتون میری طرف متوجہ ہوئی اور کہنے لگی: میں مر جاؤں گی مگر میں قرآن نہ سیکھ پاؤں گی۔

میں نے اسے کہا:

ایسا نہیں.. تم ان شاء اللہ عن قریب پورا قرآنِ کریم پڑھ لو گی اور پھر

اسے اپنی زندگی میں کئی مرتبہ ختم کرو گی..

میں نے اس سے پوچھا:

کیا تم سورۃ الفاتحہ پڑھ سکتی ہو؟

وہ بڑی خوشی سے کہنے لگی:

ہاں! اور ساتھ ہی اس نے بڑی ترتیل کے ساتھ پڑھنا شروع کر دیا:

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝﴾

حتیٰ کہ اس نے پوری سورت فاتحہ پڑھ دی.. پھر اس نے قرآن کی آخری سورتیں پڑھنا شروع کیں جو اسے زبانی یاد تھیں.. مجھے اس کی عربی دانی اور تلفظ پر تعجب ہو رہا تھا جو بہت حد تک صحیح تھا.. وہ اپنی زندگی کے بارے میں بتا رہی تھی کہ قرآن کو سیکھنے کے لیے وہ کیا کیا کچھ کر رہی ہے..

اچانک اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور کہنے لگی:

اگر میں مر گئی اور میں نے قرآنِ کریم نہ پڑھا تو میں جہنم میں جاؤں گی.. اللہ کی قسم! میں نے ایک کیسٹ سنی ہے جس میں ہے کہ قرآن کو پڑھنا لازم ہے.. یہ اللہ کا کلام ہے.. عظمت والے رب کا کلام.. جب وہ عظمتِ باری تعالیٰ کے بارے میں گفتگو کر رہی تھی اور قرآن کے حقوق کا تذکرہ کر رہی تھی تو وہ بیچاری اپنے آنسوؤں کو روکنے کی بڑی کوشش کر رہی تھی جو اس کی آنکھوں سے ٹپکنے کو بیتاب لگ رہے تھے.. میں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکی اور بے اختیار رونے لگی..

میں دیکھ رہی تھی کہ ایک عجمی عورت ہے.. ایک بے دین (ATHEIST) قسم کے ملک سے آئی ہے.. وہ اس بات سے ڈر رہی ہے کہ کل وہ اپنے اللہ

سے اس حالت میں ملے گی کہ اس نے اس کی کتابِ مقدس نہیں پڑھی.. اس کی زندگی کی سب سے بڑی تمنا صرف یہی ہے کہ وہ پورا قرآن پڑھ لے.. وہ روتی.. غمزدہ ہوجاتی.. اور کبیدہ خاطر ہو جاتی.. یہ سب محض اس لیے کہ وہ قرآن نہیں پڑھ سکتی ..!!

ہماری حالت کیا ہے؟ ہم نے قرآن کو چھوڑ رکھا ہے.. ہم نے اسے پڑھا.. مگر اسے بھلا دیا ہے؟ ہمارا کیا حال ہے؟ جبکہ ہمارے لیے قرآنِ کریم کو حفظ کرنے.. اس کی تلاوت کرنے اور اسے سمجھنے سیکھنے کے راستے بہت ہی آسان ہیں..!

- اللہ کی قسم! بتائیں تو سہی کہ ہمارے دل کس بات پر جلتے ہیں؟
- یہ کیا چیز ہے جو ہمارے لیے اشکباری کا سبب بنتی ہے؟
- اور ہمارے لیے حزن و ملال کا باعث ہوتی ہے؟

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآن ہو کر

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان واقعات وقصص کو لوگوں کے لیے مفید و نفع بخش بنائے.. یہاں ہم اس بات کی وضاحت کرتے جائیں کہ ان میں سے بعض واقعات ہم نے انٹرنیٹ کی بعض ویب سائیٹس سے منتخب کیے ہیں.. لیکن لکھنے والوں کے نام ہمیں نہیں مل سکے۔ بہر حال وہ بھی اجر و ثواب میں برابر کے شریک ہیں۔ اِن شاء اللہ

آخر میں میری اللہ تعالیٰ کریم وعظیم سے دعا ہے کہ وہ ہمیں دنیا و آخرت میں اپنے نور کے جلو میں ملائے۔ اَللّٰھُمَّ آمین

GUJRANWALA

UMM UL QURA PUBLICATIONS

Sialkot Road, Fattomand Gujranwala

0333-8110896 / 0321-6466422

www.umm-ul-qura.org